تعلیم نسواں اور مدارس البنات

مفتی محمد قاسم اوجھاری

ناشر:
اسلامی مرکز تحقیق واشاعت، اوجھاری، ضلع امروہہ، یوپی، انڈیا

تفصیلات

نام کتاب : تعلیم نسواں اور مدارس البنات

مرتب : محمد قاسم اوجھاری

صفحات : ۱۱۸

سن اشاعت : نومبر ۲۰۲۲ء ربیع الثانی ۱۴۴۴ھ

ناشر : اسلامی مرکز تحقیق واشاعت، اوجھاری، ضلع امروہہ، یوپی، انڈیا

Published By:

islamic Research & Publication's Center

Ujhari, District Amroha, UP, India (244242)

Email: Qasimujhari1@gmail.com Qasimujhari@yahoo.com
Mobile: 9719452901

فہرست

مُقدّمہ

الحمد لأهله والصلاة على أهلها, أمّا بعد:

اسلام دین فطرت ہے جو فطرتِ انسانی کا مظہر ہے، جس کی تعلیمات کے مطابق بنیادی حقوق کے لحاظ سے سب انسان برابر ہیں، ہر بچہ فطرت اسلام پر ہی پیدا ہوتا ہے اور سب انسان اولادِ آدمؑ ہیں، اس لحاظ سے اسلام میں جنس کی بنیاد پر مرد وعورت کی بھی کوئی تفریق نہیں ہے، اللہ کے نزدیک دونوں ہی اس کی مخلوق ہیں؛ ارشاد خداوندی ہے: **يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيْرًا وَّنِسَاءً** (سورہ نساء: ۱) اے لوگو! اپنے اس رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا، اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں۔

معلوم ہوا کہ عورت انسانی معاشرے کا ایک لازمی اور قابل احترام حصہ ہے، جس کے وجود سے انسانیت کی تکمیل ہوتی ہے، اسی لیے اسلام نے عورت کو ایک باعزت مقام اور وہ تمام حقوق دیے ہیں جن کا اس کی فطرت تقاضہ کرتی ہے۔

عورت اسلام سے قبل

اسلام سے قبل دنیا کی مختلف تہذیبوں، معاشروں اور تمدن انسانی میں عورت کی حیثیت کی تاریخ کا جب مطالعہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام سے قبل عورت کا

وجود دنیا میں ذلت وشرم اور گناہ کا وجود تھا، عورت انتہائی مظلوم تھی، معاشرتی عزت و احترام سے محروم تھی، اسے تمام برائیوں کا سبب اور قابل نفرت تصور کیا جاتا تھا، بیٹی کی پیدائش باپ بلکہ سارے خاندان کے لیے سخت عیب اور موجب ننگ وعار تھی؛ یونانی، رومانی، ایرانی، ہندی اور دور جاہلیت کی تہذیبوں اور ثقافتوں میں عورت کو ثانوی حیثیت سے بھی کمتر درجہ دیا جاتا تھا؛ غرض دنیا بھر میں کوئی بھی ایسی تہذیب اور معاشرہ نہیں تھا، جہاں عورت کو اس کے بنیادی اور فطری حقوق دیے جاتے ہوں۔

عورت اور بدھ مت:

بدھ مت میں عورت کی حیثیت کے بارے میں لکھا ہے کہ: پانی کے اندر مچھلی کی طرح ناقابل فہم عادتوں کی طرح عورت کی فطرت بھی ہے، اس کے پاس چوروں کی طرح متعدد حربے ہیں، اور سچ کا اس کے پاس گذر نہیں۔ (انسائیکلوپیڈیا آف مذہب واخلاق:۲۷۱)

عورت اور چینی تہذیب:

مسٹر رے اسٹریجی چین میں عورت کی حیثیت کے بارے میں لکھتا ہے کہ: مشرق بعید یعنی چین میں حالات اس سے بہتر نہیں تھے، چھوٹی لڑکیوں کے پیروں کو کاٹھ مارنے کی رسم کا مقصد یہ تھا کہ انہیں بے بس اور نازک رکھا جائے، یہ رسم اگرچہ اعلی اور مالدار طبقات میں رائج تھی، لیکن اس سے آسمانی حکومت کے دور میں عورتوں کی حالت پر روشنی پڑتی ہے۔(universal history of the world:1/338)

عورت اور یوروپین تہذیب:

انگلستان (یورپ) میں عورت کے حقوق کے بارے میں لکھا ہے کہ: اسے ہر قسم کے

شہری حقوق سے محروم رکھا گیا تھا، تعلیم کے دروازے اس پر بند تھے، صرف چھوٹے درجے کی مزدوری کے علاوہ کوئی کام نہیں کرسکتی تھی اور شادی کے وقت اسے اپنی ساری املاک سے دست بردار ہونا پڑتا تھا؛۔۔۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ قرون وسطی سے انیسویں صدی تک عورت کو جو درجہ دیا گیا تھا، اس سے کسی بہتری کی امید نہیں کی جاسکتی تھی۔ (تہذیب وتمدن پر اسلام کے اثرات واحسانات)

عورت اور مسیحی یورپ:

عورت کے سلسلے میں مسیحیین کے آباء جو نظریات وتصورات رکھتے تھے، وہ انتہا پسندی کی بھی انتہا تھے اور فطرت انسانی کے خلاف اعلان جنگ بھی؛ ان کا ابتدائی اور بنیادی نظریہ یہ تھا کہ عورت گناہ کی ماں اور بدی کی جڑ ہے، مرد کے لیے معصیت کی تحریک کا سرچشمہ اور جہنم کا دروازہ ہے، تمام انسانی مصیبتوں کا آغاز اسی سے ہوا ہے، اس کا عورت ہونا ہی اس کے شرمناک ہونے کے لیے کافی ہے، اس کو اپنے حسن و جمال پر شرمانا چاہیے، کیوں کہ وہ شیطان کا سب سے بڑا ہتھیار ہے، اس کو ہمیشہ کفارہ ادا کرتے رہنا چاہیے، کیوں کہ وہ دنیا اور دنیا والوں پر لعنت اور مصیبت لائی ہے۔ ''ترتولیاں'' جو ابتدائی دور کے ائمۂ مسیحیت میں سے تھا، عورت کے متعلق مسیحی تصور کی ترجمانی ان الفاظ میں کرتا ہے: ''وہ شیطان کے آنے کا دروازہ ہے، وہ شجر ممنوعہ کی طرف جانے والی، خدا کے قانون کو توڑنے والی اور خدا کی تصویر مرد کو غارت کرنے والی ہے''۔ ''کرائم سوسٹم'' جو مسیحیت کے اولیائے کبار میں شمار کیا جاتا ہے، عورت کے حق میں کہتا ہے: ''ایک ناگزیر برائی، ایک پیدائشی وسوسہ، ایک مرغوب آفت، ایک خانگی خطرہ، ایک غارت گر دل ربائی اور ایک آراستہ مصیبت ہے''۔ ان کا دوسرا نظریہ یہ تھا کہ عورت اور مرد کا تعلق بجائے خود ایک نجاست اور قابل اعتراض چیز ہے، چاہے وہ نکاح کی صورت میں

ہی کیوں نہ ہو۔ (عورت، اسلام اور جدید سائنس ۱۲۳)

عورت اور ہندو دھرم:

ہندو دھرم میں عورت کی حیثیت کے بارے میں لکھا ہے: برہمن ازم میں شادی کو بڑی اہمیت حاصل ہے، ہر شخص کو شادی کرنا چاہیے، لیکن منوسمرتی (مذہبی کتاب) کے قوانین کی رو سے شوہر بیوی کا سرتاج ہے، اسے اپنے شوہر کو ناراض کرنے والا کوئی کام نہیں کرنا چاہیے، حتی کہ اگر وہ دوسری عورتوں سے تعلقات رکھے یا مرجائے تب بھی کسی دوسرے مرد کا نام زبان پر نہ لائے، اگر وہ دوسرا نکاح کرتی ہے تو وہ سورگ (جنت) سے محروم رہے گی جس میں اس کا پہلا شوہر رہتا ہے، بیوی کے غیر وفادار ہونے کی صورت میں اسے انتہائی کڑی سزادی جانی چاہیے، عورت کبھی بھی آزاد نہیں ہوسکتی، وہ ترکہ نہیں پاسکتی، شوہر کے مرنے پر اپنے سب سے بڑے بیٹے کے تحت زندگی گذارنی ہوگی، شوہر اپنی بیوی کو لاٹھی سے بھی پیٹ سکتا ہے، بلکہ ''ویدوں'' کے مطابق عورتوں کو''وید'' کی تعلیم کی اجازت بھی نہیں تھی۔ (انسائیکلو پیڈیا مذہب واخلاق:۱۷ ۲)

عورت اور ہندوستانی سماج:

ہندوستانی سماج میں عورت اور اس کی حیثیت کے بارے میں لکھا ہے کہ برہمنی زمانہ اور تہذیب میں عورت کا وہ درجہ نہیں رہا تھا جو ویدی زمانے میں تھا، ''منو'' کے قانون میں (بقول ڈاکٹر لی بان) عورت ہمیشہ کمزور اور بے وفا سمجھی گئی ہے اور اس کا ذکر ہمیشہ حقارت کے ساتھ آیا ہے، شوہر مرجاتا تو عورت گویا جیتے جی مرجاتی اور زندہ درگور ہوجاتی، وہ کبھی دوسری شادی نہ کرسکتی تھی، اس کے قسمت میں طعن وتشنیع اور ذلت وتحقیر کے سوا کچھ نہیں تھا، بیوہ ہونے کے بعد اپنے متوفی شوہر کے گھر لونڈی اور دیوروں کی

خادمہ بن کر رہنا پڑتا، اکثر بیوائیں اپنے شوہروں کے ساتھ ''ستی'' (جان کی قربانی) ہوجاتیں، ڈاکٹر لی بان لکھتے ہیں: بیواؤں کو اپنے شوہروں کی لاش کے ساتھ جلانے کا ذکر ''منوشاستر'' میں نہیں ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسم ہندوستان میں عام ہوچکی تھی، کیوں کہ یونانی مؤرخین نے اس کا ذکر کیا ہے۔ (تمدن ہند ۲۳۸)

عورت اور زمانۂ جاہلیت:

اسی طرح زمانۂ جاہلیت میں جزیرۃ العرب میں عورت کے لیے کوئی قابل ذکر حقوق نہیں تھے، عورت کی حیثیت کو ماننا تو درکنار اس کو معاشرے میں زندہ رہنے کا حق بھی نہیں تھا، عورت کا وجود انتہائی ناپسندیدہ تھا، وہ مظلوم اور ستائی ہوئی تھی، ہر طرح کی ذلت ورسوائی، ظلم وزیادتی اور ناانصافی اس کا مقدر تھی؛ اس کی حیثیت گھریلو استعمالی چیزوں سے زیادہ نہ تھی، چوپایوں کی طرح اس کی خرید وفروخت ہوتی تھی، نہ اس کو اپنی شادی بیاہ کا اختیار تھا اور نہ وراثت میں کوئی حصہ، بلکہ وہ خود مال وراثت سمجھی جاتی تھی؛ ہر قسم کی بڑائی اور فضیلت صرف مردوں کے لیے تھی، حتی کہ عام معاملات زندگی میں بھی مرد اچھی چیزیں خود رکھ لیتے اور بے کار چیزیں عورتوں کو دیتے تھے؛ زمانۂ جاہلیت کے اس طرز عمل کو قرآن حکیم یوں بیان کرتا ہے: **وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰى اَزْوَاجِنَا وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَاءُ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ** (سورہ انعام: ۱۳۹) اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جو (بچہ) ان چوپایوں کے پیٹ میں ہے وہ ہمارے مردوں کے لیے مخصوص ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے، اور اگر وہ (بچہ) مرا ہوا پیدا ہو تو وہ (مرد اور عورتیں) سب اس میں شریک ہوتے ہیں، عنقریب وہ ان کی (من گھڑت) باتوں کی سزا دے گا، بیشک وہ بڑی حکمت والا خوب جاننے والا ہے۔ اس آیت کریمہ سے واضح ہوتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں عورتوں اور

مردوں کے درمیان چیزوں کی تقسیم اور لین دین کے معاملات میں بھی نہ صرف تفریق کی جاتی، بلکہ عورت کو مرد کے مقابلے میں نسبتاً کمتر سمجھا جاتا تھا۔

عورت کی حیثیت کا اقرار کرنا تو درکنار عورت سے اس کے جینے کا حق تک چھین لیا جاتا تھا، لڑکی کے پیدا ہونے پر اس کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے؛ قرآن کریم نے ان کے اس طرز عمل کی عکاسی اس طرح کی ہے: **وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُھُمْ بِالْاُنْثٰی ظَلَّ وَجْھُهٗ مُسْوَدًّا وَّھُوَ كَظِيْمٌ، يَتَوَارٰی مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰی ھُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ اَلَاسَاءَ مَا يَحْكُمُوْنَ** (سورۃ النحل ۵۸، ۵۹) اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی (کی پیدائش) کی خبر سنائی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ دل میں گھٹا گھٹا رہتا ہے، وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اس بری خبر کی وجہ سے جو اسے سنائی گئی ہے، (اب یہ سوچنے لگتا ہے کہ) آیا اسے ذلت و رسوائی کے ساتھ (زندہ رکھے) یا اسے مٹی میں دبا دے (زندہ درگور کر دے) خبردار! کتنا برا فیصلہ ہے جو وہ کرتے ہیں۔

یہ عورت کی اسلام سے قبل دنیا بھر کی تہذیبوں اور قوموں میں حقیقی مختصر تصویر تھی۔

عورت اسلام کے سائے میں

اسلام نے عورت کو مختلف نظریات و تصورات کے محدود دائرے سے نکال کر بحیثیت انسان عورت کو مرد کے یکساں درجہ دیا اور اسے قابل عزت واحترام قرار دیا۔ اسلام کے علاوہ باقی تمام تہذیبوں اور معاشروں (خصوصاً مغربی تہذیب جو عورت کی آزادی، عظمت اور معاشرے میں اس کو مقام و منصب دلوانے کا سہرا اپنے سر باندھنا چاہتا ہے) نے ہمیشہ عورت کے حقوق کو سبوتاژ کیا اور آزادی کے نام پر عورت کو اپنی محکومہ و مملوکہ اور بے حیا بنا دیا۔ دنیا کی مختلف قوموں اور تہذیبوں نے عورت کے لیے سینکڑوں قانون بنائے، مگر یہ قدرت کی کرشمہ سازی ہے کہ عورت نے اسلام کے سوا اپنے حقوق کی

داد کہیں نہیں پائی۔

الغرض یونانی تہذیب سے لے کر روم، فارس، ہندوستان، بدھ، ہندو، یہودی اور عیسائی تہذیب وتمدن سمیت دنیا بھر میں عورت کو معاشرے میں انتہائی کمتر درجہ دے رکھا تھا، عورت کا وجود گوارا نہ تھا، انہوں نے دنیا میں برائی اور موت کی ذمہ دار اور اصل وجہ عورت کو ہی قرار دے رکھا تھا، حتیٰ کہ ''انگلینڈ'' کے آٹھویں بادشاہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے دور میں ''پارلیامنٹ'' میں یہ قانون پاس کیا تھا کہ عورت اپنی مقدس کتاب ''انجیل'' کی تلاوت تک نہیں کرسکتی، کیوں کہ وہ ناپاک تصور کی جاتی تھی۔ نام نہاد جدید تہذیب بھی عورت کو وہ حیثیت نہیں دے سکی جس کی وہ مستحق تھی، ارتقائے تہذیب نے عورت کو آزادی کے نام پر مزید پستی میں ڈال دیا، علاوہ ازیں مختلف مذاہب اور تہذیبوں نے صنف نازک کو ناپاک بتا کر اس کا رتبہ اور بھی کم کر دیا؛ مگر اسلام اور اسلامی تہذیب نے عورت کو ایک عظیم مقام دیتے ہوئے اس کو کائنات کا اہم ترین جز قرار دیا، اسلام نے عورت کی حیثیت کو تسلیم کرتے ہوئے وہ تمام حقوق دیے جن سے وہ مدت دراز سے محروم چلی آرہی تھی؛ اور یہ حقوق اسلام نے اس لیے نہیں دیے کہ عورت ان کا مطالبہ کرتی چلی آرہی تھی، بلکہ اس لیے کہ یہ عورت کے فطری حقوق تھے جو اسے ملنے ہی چاہیے تھے؛ اسلام نے عورت کا جو مقام ومرتبہ معاشرے میں متعین کیا وہ جدید وقدیم کی بے ہودہ روایتوں سے پاک ہے، وہ نہ تو عورت کو گناہ کا مجسمہ بتا کر مظلوم بنانے کی اجازت دیتا ہے اور نہ ہی اسے ''یورپ'' کی سی آزادی کے نام پر بے حیا بناتا ہے۔

زندہ رہنے کا حق:

اسلام نے عورت کو باعزت مقام دیتے ہوئے اسے زندہ رہنے کا حق دیا، اور کہا کہ جو شخص اس کے اس حق سے روگردانی کرے گا، قیامت کے دن خدا کے سامنے جواب دینا

ہوگا؛ فرمایا: وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ بِاَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ (التکویر: ۹-۸) اس وقت کو یاد کرو! جب کہ اس لڑکی سے پوچھا جائے گا جسے زندہ دفن کیا گیا تھا کہ کس جرم میں اسے مارا گیا؟

ایک طرف ان معصوموں کے ساتھ کیے گئے ظلم وزیادتی پر جہنم کی وعید سنائی گئی، تو دوسری طرف ان لوگوں کو جنت کی بشارت دی گئی جن کا دامن اس ظلم سے پاک ہو اور وہ لڑکیوں کے ساتھ وہی برتاؤ کریں جو لڑکوں کے ساتھ کرتے ہیں، دونوں میں کوئی فرق نہ کریں؛ چناں چہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کی لڑکی ہو اور وہ اسے زندہ درگور نہ کرے اور نہ اس کے ساتھ حقارت آمیز سلوک کرے اور نہ اس پر اپنے لڑکے کو ترجیح دے، تو اللہ تعالی اسے جنت میں داخل کرے گا۔ (سنن ابو داؤد: ۹۳۰)

مقام ومرتبے کا تعین:

اسی طرح اسلام نے عورت پر بحیثیت انسان ایک بڑا احسان یہ کیا کہ عورت کی شخصیت کے بارے میں انسانوں کی سوچ اور ذہنیت کو بدلا، عورت کا جو مقام ومرتبہ اور وقار ہونا چاہیے اس کو متعین کیا؛ اس کے معاشرتی، تمدنی اور معاشی حقوق کا فرض ادا کیا۔ ارشادِ باری تعالی ہے: خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا (النساء: ۱) اللہ نے تمہیں ایک انسان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا۔ اس بنا پر انسان ہونے میں مرد وعورت دونوں برابر ہیں، مرد کے لیے اس کی مردانگی قابل فخر نہیں ہے اور نہ عورت کے لیے اس کی نسوانیت باعث عار ہے، مرد وعورت دونوں انسان پر منحصر ہیں اور بحیثیت انسان اپنی خلقت وصفات کے لحاظ سے فطرت کا عظیم شاہکار ہیں، جو اپنی خوبیوں اور خصوصیات کی وجہ سے ساری کائنات کی محترم اور بزرگ ترین ہستی ہیں؛ آدمؑ کو جملہ

مخلوقات پر فضیلت بخشی گئی اور انسان ہونے کی حیثیت سے جو سرفرازی عطا کی گئی اس میں عورت برابر کی حصے دار ہے۔

محبت اور عزت واحترام:

دنیا کی تہذیبوں اور قوموں نے جس طرح عورت کو کانٹوں بھری زندگی گذارنے پر مجبور کر رکھا تھا، اسلام نے اس کے برعکس اسے عزت واحترام عطا کیا؛ وہ ہستی جو تمام جہانوں کے لیے رحمت بن کر آئے تھے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) انہوں نے اس مظلوم طبقے کو یہ مژدۂ جاں فزا سنایا: **حُبِّبَ إِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا النِّسَاء وَ الطِّيْبُ وَ جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِيْ الصَّلٰوةِ** (سنن نسائی: ۳۹۰۹) کہ مجھے دنیا کی چیزوں میں سے عورت اور خوشبو پسند ہے، اور میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں رکھ دی گئی ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عورت سے بیزاری اور نفرت زہد وتقوی کی بھی دلیل نہیں ہے، اسی لیے مرد اور عورت دونوں کے لیے نکاح کو لازم قرار دیا گیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **النكاح من سنتي فمن لم يعمل بسنتي فليس مني** (سنن ابن ماجه، رقم: ۱۸۴۶) نکاح میری سنت ہے اور جس نے میری سنت سے اعراض کیا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسلام نے واضح پیغام دیا کہ مرد اور عورت کی شخصیت ایک دوسرے سے ہی مکمل ہوتی ہے۔

معاشی حقوق:

دنیا کی تہذیبوں اور نظاموں نے عورت کو معاشی اعتبار سے بھی بہت کمزور کر رکھا تھا، اس کی معاشی کمزوری مظلومیت اور بیچارگی کا سبب بنی؛ آج مغربی تہذیب نے بھی عورت کی اسی مظلومیت کا مداوا کرنا چاہا، مگر معاش کے نام پر اسے گھر سے باہر نکال کر

کارخانوں، فیکٹریوں، دفتروں اور دوسری جگہوں پر لا کھڑا کر دیا؛ اس طرح عورت کا کمانا بہت سی خرابیوں کا سبب بن گیا، گویا مغرب نے آزادی اور معاش کے نام پر بے حیائی، فحاشی اور جنسی آوارگی کے تمام اسباب مہیا کر دیے۔

اس سلسلے میں اسلام نے راہِ اعتدال اختیار کیا، عورت کے معاش کا انتظام کچھ اس طرح سے کیا کہ جس کی نظیر دنیا کی کسی تہذیب، دستور اور قانون میں نہیں دکھائی جا سکتی؛ (۱) عورت کا نان ونفقہ ہر حالت میں مرد کے ذمہ قرار دیا، اگر بیٹی ہے تو باپ کے ذمہ، بہن ہے تو بھائی کے ذمہ، بیوی ہے تو شوہر کے ذمہ اور ماں ہے تو اس کے اخراجات اس کے بیٹے کے ذمہ۔ ارشادِ باری تعالی ہے: **عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ** (البقرہ: ۲۳۶) خوش حال اپنی استطاعت کے مطابق اور غریب آدمی اپنی توفیق کے مطابق معروف طریقہ سے نفقہ دے۔ (۲) عورت کا حق مہر ادا کرنا مرد پر لازم قرار دیا گیا، حکم خداوندی ہے: **وَاٰتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْئًا مَّرِيْئًا** (النساء: ۴) عورتوں کو ان کا حق مہر خوشی سے ادا کرو، اگر وہ اپنی خوشی سے اس میں سے کچھ حصہ تمہیں معاف کر دیں تو اس کو خوشی اور مزے سے کھاؤ۔ (۳) وراثت: بعض مذہبوں کے پیش نظر وراثت میں عورت کا کوئی حصہ نہیں ہوتا تھا، اسلام نے وراثت میں عورتوں کا باقاعدہ حصہ دلوایا، ارشادِ خداوندی ہے: **لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ** (النساء) ایک مرد کو دو عورتوں کے برابر حصے ملے گا۔ یعنی عورت کا حصہ مرد سے آدھا ہے۔ اسی طرح وہ باپ، شوہر، اولاد اور دوسرے قریبی رشتہ داروں سے باقاعدہ وراثت کی حق دار ہے۔ (۴) مال و جائداد کا حق: عورت کو مہر اور وراثت وغیرہ میں جو کچھ مال ملے، اسلام نے کلی طور پر عورت کو اس کا مالک قرار دیا ہے، کیوں کہ اس پر کسی بھی طرح کی معاشی ذمہ داری نہیں رکھی گئی ہے، اس طرح سے عورت کی مالی حالت مستحکم ہو جاتی ہے۔ (۵) پھر وہ اپنے مال کو جہاں چاہے خرچ کرے، اس پر کسی کا زور نہیں ہے، اسلام

نے اس کو اختیار دیا ہے، اگر چاہے تو اپنے پاس رکھے یا اپنے شوہر کو دے یا اپنی اولاد کو، یا کسی کو ہبہ کرے یا راہِ خدا میں صرف کرے، یہ اس کی اپنی مرضی ہے۔(۶) اگر وہ شرعی حدود میں رہ کر از خود کماتی ہے تو یہ بھی درست ہے، اسلام اس کی بھی اجازت دیتا ہے، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ دور نبوت اور بعد کے ادوار میں بہت سی خواتین اسلام برسر روزگار تھیں۔ اور اس مال کی مالک بھی کلی طور پر وہی ہے۔ لیکن پھر بھی اس کا نفقہ اس کے شوہر پر واجب ہے، چاہے وہ کمائے یا نہ کمائے۔

اس طرح سے اسلام کے عطا کردہ معاشی حقوق عورت کو اتنا مضبوط اور مستحکم بنادیتے ہیں کہ عورت جتنا بھی شکرادا کرے کم ہے۔

تمدنی حقوق:

اسلام نے عورت کو تمدنی حقوق بھی دیے ہیں، مثلاً: شوہر کے انتخاب کا اختیار۔ اسی طرح عورت کو خلع کا حق بھی دیا ہے کہ اگر ناپسندیدہ، ظالم یا ناکارہ شوہر ہے، تو بیوی نکاح کو فسخ کرسکتی ہے، اور یہ حق اس کو شرعی عدالت کے ذریعہ دلایا جائے گا۔ شوہر اس کے واجبی حقوق ادا نہ کرے، تو وہ اسلامی عدالت کے ذریعے اس کو ادائے حقوق پر ورنہ طلاق پر مجبور کرسکتی ہے۔ وغیرہ

معاشرتی حقوق:

اسلام نے عورتوں کو حسن معاشرت کا بھی حق دیا گیا ہے، ارشادِ ربانی ہے: **وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ** (النساء: ۱۹) عورتوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ چناں چہ شوہر کو بیوی سے حسن سلوک اور فیاضی کا برتاؤ کرنے کی تلقین کی گئی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهٖ** (مشکوۃ: ۲۷۰) کہ تم میں

بہترین لوگ وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے حق میں اچھے ہیں، اور اپنے اہل وعیال سے لطف ومہربانی کا سلوک کرنے والے ہیں۔ ایک دوسری روایت میں ہے: **إنَّ أكمل المؤمنين إيمانا أحسنهم خُلقا و ألطفهم لإهله** (ترمذی، رقم: ۲٦۱۲) کامل ترین مؤمن وہ ہے جو اخلاق میں اچھا ہو اور اپنے اہل وعیال کے لیے نرم خو ہو۔

اسلام میں معاشرتی حیثیت سے عورت کو اتنا بلند مقام حاصل ہے کہ اس کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ معاشرت کے باب میں اللہ تعالی نے خاص طور پر مرد کو مخاطب کرکے حکم دیا ہے کہ ان کے ساتھ معاشرت میں معروف کا خیال رکھا جائے، تاکہ لوگ معاشرت کے ہر پہلو اور ہر چیز میں حسن معاشرت کا سلوک کریں؛ فرمایا: **وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰىٓ اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا** (النساء: ۱۹) اور ان کے ساتھ حسن معاشرت کے ساتھ زندگی گزارو، اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم کوئی چیز ناپسند کرو اور اللہ اس میں بہت بھلائی رکھ دے۔ معاشرت کے معنی مل جل کر زندگی گزارنا ہے، اس لحاظ سے اللہ تعالی نے ایک تو مردوں کو ان کی عورتوں کے ساتھ مل جل کر زندگی گذارنے کا حکم دیا ہے، دوسرے یہ کہ اسے معروف کے ساتھ مقید کردیا ہے؛ امام ابوبکر جصاص علیہ الرحمہ ''معروف'' کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: اس میں عورتوں کا نفقہ، مہر اور عدل کا شمار کر سکتے ہیں؛ اور معروف زندگی گذارنے کا مطلب یہ ہے کہ گفتگو میں نہایت شائستگی وشیفتگی سے کام لیا جائے، ایک دوسرے کی بات کو توجہ اور احترام سے سنیں، بے رخی اور بے اعتنائی کا برتاؤ نہ کیا جائے، بدمزاجی کی کوئی جھلک ظاہر نہ ہو۔

اظہارِ رائے کی آزادی کا حق:

اسی طرح اسلام نے عورتوں کو اظہارِ رائے کی آزادی کا حق بھی دیا ہے، اور یہ حق

ان کو اتنا ہی حاصل ہے جتنا مرد کو حاصل ہے، خواہ وہ دینی معاملہ ہو یا دنیوی، عورت کو پورا حق ہے کہ وہ دینی حدود میں رہ کر ایک مرد کی طرح اپنی آزادانہ رائے کا استعمال کرے۔

ایک موقع پر ایک مجلس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: تم لوگوں کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ عورتوں کی مہر زیادہ نہ باندھو، اگر مہر زیادہ باندھنا دنیا کے اعتبار سے بڑائی ہوتی اور عند اللہ تقوی کی بات ہوتی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے زیادہ مستحق تھے۔ حضرت عمرؓ کی اس تقریر پر ایک عورت نے بھری مجلس میں کہا: آپ یہ کیسے کہہ رہے ہیں؟ حالاں کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: وَ اٰتَیْتُمْ اِحْدٰھُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوْا مِنْہُ شَیْئًا (النساء: ۲۰) اور اگر تم نے ان میں سے کسی کو ڈھیر سارا مال دیا ہے تو تم اس میں سے کچھ نہ لو۔ جب خدا نے جائز رکھا ہے کہ شوہر مہر میں ایک ''قنطار'' بھی دے سکتا ہے، تو آپ کیوں منع کر رہے ہیں؟ حضرت عمرؓ نے یہ سن کر فرمایا: سب لوگ عمر سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ (الاحکام لابن حزم ۲/ ۲۳۷۔ السنن الکبری للبیھقی ۷/ ۲۳۳۔ مجمع الزوائد ۴/ ۲۸۳۔ سنن ترمذی۔ تفسیر ابن کثیر) یہ واقعہ مختلف طرح سے منقول ہے۔ بہر حال اس عورت کی رائے کو مجروح نہیں قرار دیا گیا، بلکہ اس کی بات کو سنا گیا، جب کہ حضرت عمرؓ کی گفتگو اولیت اور افضلیت میں تھی، نفس جواز میں نہیں تھی۔

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوجیوں کے لیے گھر سے باہر رہنے کی مدت متعین کی، اور اس میں حضرت حفصہ کی رائے پر فیصلہ کیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں عورت کو آزادیٔ رائے کا پورا حق حاصل ہے، حتی کہ اسلام نے باندیوں کو بھی اپنی آزادانہ رائے رکھنے کا حق دیا ہے، چناں چہ عرب کی باندیاں اس پر بے جھجک عمل کرتی تھیں، حتی کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ رائے جو بحیثیت رسالت و نبوت نہیں ہوتی تھی، اس پر بھی بے خوف و خطر اپنی رائے پیش کرتی تھیں؛ اس آزادیٔ رائے کا سرچشمہ خود آپؐ کی ذات اقدس تھی، آپ کی تربیت نے

ازواج مطہرات میں آزادیٔ ضمیر کی روح پھونکی تھی، جس کا اثر تمام خواتین پر پڑا تھا۔

عورت اسلام کے بعد

الغرض! اسلام نے عورت کی حیثیت کو تسلیم کرتے ہوئے اسے باعزت مقام اور وہ تمام حقوق دیے جن کی وہ مستحق تھی اور جو اس کی فطرت میں شامل تھے۔ اسلام کے آنے کے بعد عورتوں کی حالت میں جو تبدیلی اور انقلاب رونما ہوئی اور جو کھویا ہوا وقار ملا، اس کا نقشہ مولانا مودودی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے اچھے انداز میں کھینچا ہے؛ مولانا لکھتے ہیں: یہی وہ حالات تھے کہ مکہ کے پہاڑوں سے آفتاب کی پرنور کرنیں پورے جاہ وجلال کے ساتھ نمودار ہوتی ہیں، اور نہ صرف قانونی اور عملی حیثیت سے بلکہ ذہنی حیثیت سے بھی اسلام ایک عظیم انقلاب برپا کر دیتا ہے، اسلام ہی نے مرد اور عورت دونوں کو بدلا ہے، عورت کی عزت اور اس کے حق کا تخیل ہی انسان کے دماغ میں اسلام کا پیدا کیا ہوا ہے؛ آج حقوق نسواں، تعلیم نسواں اور بیداری اناث کے جو بلند بانگ نعرے پردۂ سماع سے ٹکرا رہے ہیں یہ اسی انقلاب انگیز صدا کی بازگشت ہے، جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بلند ہوئی تھی، اور جس نے افکار انسانی کے رخ کا دھارا پھیر دیا، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں جنہوں نے دنیا کو بتایا کہ عورت بھی ویسی ہی انسان ہے جیسا کہ مرد۔ (پردہ:۱۸۹)

عورت، اسلام اور جدید تہذیب

مذکورہ بالا تفصیلات سے واضح ہوگیا کہ اس روئے زمین پر اسلام کے علاوہ کوئی بھی ایسا مذہب، قوم، معاشرہ، تہذیب اور دستور نہیں ہے جس نے معاشرے کی نصف آبادی کو واضح اور مساویانہ حقوق عطا کیے ہوں؛ آپ دنیا کی تاریخ پڑھ ڈالیں، مذاہب کا

تقابلی مطالعہ کریں، آپ کے سامنے یہ حقیقت بخوبی واضح ہوجائے گی۔ آزادیٔ نسواں اور حقوق نسواں کے نام نہاد علم برداروں نے عورت کے حقوق کی بات کی اور اس کو آزادی اور حقوق کے نام پر بازاروں اور محفلوں کی زینت بنادیا، انہوں نے یہ ڈھنڈورا پیٹا کہ اسلام عورت کی آزادی کا مخالف اور حقوق غصب کرنے والا مذہب ہے اور عورت کو صحیح حقوق مغرب نے دیے ہیں، لیکن یہ بات مخفی نہیں ہے کہ آزادی نسواں اور حقوق نسواں کی آڑ میں عورتوں کا کس قدر استحصال کیا جارہا ہے! آزادی نسواں اور حقوق نسواں کی آڑ میں مغرب کا خاندانی نظام تباہ ہوچکا ہے! اور اب اہل مغرب بھی اس خوشنما فریب سے باہر آنے کی کوشش میں ہیں، دنیا فطرت کی طرف لوٹنے پر مجبور ہے۔ ایک ایسے وقت اور ماحول میں جب کہ معاشرے کی نصف آبادی خود اپنی حیثیت اور اپنے اس مقام سے ناآشنا ہے جو اسے اسلام نے عطا کیا ہے، ضرورت ہے کہ وہ اپنی حیثیت اور مرتبے کو جانے، تاکہ وہ مغرب کے خوشنما نعروں سے متأثر نہ ہوسکے اور اسلام اور مغرب کو حقیقت کی آنکھ سے دیکھ سکے۔

عورت، علم اور اسلام

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ انسان کی کامیابی اور ترقی کا دارومدار علم پر ہے، کوئی بھی شخص یا قوم علم کے بغیر زندگی کی کامیابیوں کے سفر طے نہیں کرسکتی، کوئی بھی شخص اپنی کند ذہنی اور جہالت کی وجہ سے اعلیٰ سوچ اور فکر کا حامل نہیں ہوسکتا اور نہ ہی مادی ترقی کا کوئی امکان نظر آسکتا ہے؛ لیکن اس کے باوجود تاریخ میں ایک طویل عرصہ ایسا گذرا ہے جس میں عورت کے لیے علم کی ضرورت واہمیت کو نظر انداز کیا گیا، علم کی ضرورت صرف مردوں کے لیے سمجھی گئی، عورت علم سے کوسوں دور جہالت کی زندگی بسر کرتی تھی۔ اسلام نے جہاں معاشرے کی دبی کچلی مظلوم مخلوق کو باعزت مقام دیا، وہیں

علم کی اہمیت وفضیلت اجاگر کرتے ہوئے بہ بانگ دہل اعلان کیا کہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے؛ اسلام نے علم کے حصول کو فرض قرار دیا، اور مرد اور عورت کے لیے تفریق نہیں کی، دونوں کے لیے اس کے دروازے کھولے اور جو بھی اس راہ میں رکاوٹ و پابندیاں تھیں سب کو ختم کیا۔ بھلا وہ مذہب جس نے دنیائے انسانیت کو اخوت و بھائی چارگی کا سبق سکھایا، ظلم وتفریق کے دلدل میں پھنسی ہوئی انسانیت کو عدل ومساوات کا درس دیا، ذلیل ترین اور حقیر سمجھی جانے والی صنف نازک کو معاشرے میں باوقار مقام عطا کیا، وہ مذہب معاشرے کی نصف آبادی عورت کو علم جیسی عظیم نعمت سے کیسے محروم رکھ سکتا تھا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا تفریقِ جنس حصول علم کی تاکید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: **طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ** (سنن ابن ماجہ، رقم: ۲۲۴۔ مشکاۃ المصابیح ۳۴) علم حاصل کرنا ہر مسلمان (مرد وعورت) پر فرض ہے۔ علم کسی کی جاگیر نہیں ہے، ایسا نہیں ہے کہ صرف مردوں کو ہی علم حاصل کرنے کا حق ہے اور عورتیں اس حق سے محروم رہیں، بلکہ اسلام نے برملا اعلان کیا کہ ہر شخص بلا تفریق جنس اپنی حیثیت واستطاعت کے بقدر علم حاصل کرے، اور ضرورت کے بقدر علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد وعورت کے لیے ضروری قرار دیا۔

عورت اور تعلیم وتربیت:

اسلام نے تعلیم وتربیت پر بہت زور دیا ہے، گویا اسلام کی بنیاد ہی تعلیم وتعلم پر رکھی گئی ہے، اسلام نے لڑکوں کے ساتھ لڑکیوں کی تعلیم پر بھی زور دیا ہے، کیوں کہ ایک عورت پورے خاندان کی پرورش کا ذریعہ بنتی ہے، عورت اگر تعلیم یافتہ اور دین دار ہوتی ہے تو علم اور دین نسلوں میں منتقل ہوتا ہے، اور اگر علم سے محروم اور بے دین ہوتی ہے تو جہالت اور بے دینی نسلوں میں سفر کرتی ہے، بے دین اور جاہل خواتین معاشرے کی پس

ماندگی اور ابتری کا باعث بنتی ہیں، بسا اوقات انہیں نہ کفر وشرک کی کوئی تمیز ہوتی ہے نہ دین وایمان سے کچھ واقفیت، اللہ اور رسول کے مقام ومرتبے سے ناواقف بعض اوقات شان خداوندی میں بھی بے ادبی اور گلے شکوے کرتی ہیں، شان پیغمبریؐ میں بڑی بے باکی سے زبان طعن دراز کرتی ہیں، احکام شرعیہ کی حکمت وافادیت سے واقف نہ ہونے کی بنا پر الٹی سیدھی باتیں کرتی ہیں؛ اسی کے ساتھ ہر طرح کے فیشن، بے حجابی، عریانی اور فضول رسم ورواج کے پیچھے بھاگتی ہیں؛ طرح طرح کے منتر جھاڑ پھونک اور کالے علم میں ملوث ہوتی ہیں، جس سے عقیدوں میں خوب بگاڑ پیدا ہوتا ہے؛ اولاد اور شوہر کے حقوق میں لاپرواہی برتی ہیں، انہیں اپنے شوہر، سسرال، رشتہ دار، بہن بھائیوں اور ہمسایوں کے حقوق کی کوئی خبر نہیں ہوتی؛ جس کے نتیجے میں معاشرے میں لڑائی جھگڑے، گالی گلوچ، زبان درازی، لعن وطعن اور غیبت جیسے عظیم گناہ پنپتے ہیں۔ غرض عورت کی جہالت اور بے دینی سے بہت سے نقصانات معاشرہ میں جنم لیتے ہیں۔ شوہر، اولاد، خاندان اور اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کا کوئی احساس نہیں ہوتا، اور اس طرح سے زندگی **"خسر الدنیا و الآخرة"** کا مصداق بن جاتی ہے، دنیا بھی برباد اور آخرت کی تباہی بھی مقدر بن جاتی ہے۔ اس طرح کی خواتین یقیناً معاشرے کی تباہی وبربادی کا ہراول دستہ ثابت ہوتی ہیں، کہ کم از کم اپنی گودوں میں پلنے والی اولاد کی تربیت بھی نہ کرسکیں۔

اس کے برعکس تعلیم وتربیت اور علم دین سے آراستہ خواتین صحیح اور غلط، حق وباطل، جائز اور ناجائز کی حدود کو جانتی اور پہچانتی ہیں؛ وہ اپنی زندگی میں پیش آمدہ مسائل کو خوش اسلوبی سے نمٹا لیتی ہیں، علم دین ان کو شائستہ اور مہذب بناتا ہے، وہ اپنے بچوں کی بھی صالح تربیت کرکے صالح معاشرہ تعمیر کرنے کا باعث بنتی ہیں، باشعور اور دینی تعلیم و تربیت سے بہرہ مند خواتین گھر، خاندان اور معاشرے میں بہت عمدگی سے اپنا کردار ادا کرتی ہیں، شوہروں کے لیے جسمانی وروحانی سکون وتسکین، اپنے قول وعمل سے اولاد کو

دینداری کا درس اولیں، گھروں میں توکل وقناعت اور سکون وآرام کی فضا کی فراہمی اور دیگر فرائض سے وہ کما حقہ نمٹ لیتی ہیں؛ اپنے تعاون، رفاقت اور ہمت افزائی سے مردوں کو دینی ودنیاوی ترقیوں کے دروازوں تک لے جاتی ہیں؛ ہمسایوں اور دیگر عزیز واقارب کے حقوق کی پاس داری کرتے ہوئے اپنے نیک سلوک سے آس پاس ایک ہمدرد، مہذب، دیندار اور معاون ماحول پیدا کرتی ہیں؛ اس طرح سے عورت کی گونا گوں صفات وکردار سے جب ایک پرسکون ماحول پیدا ہوگا، تو اس کی ٹھنڈی چھاؤں میں صالح معاشرے کی تشکیل کی راہیں خود بخود ہموار وسازگار ہوتی چلی جائیں گی۔

تعلیم نسواں کے سلسلے میں افراط وتفریط:

اس وقت صنف نازک کی تعلیم کے حوالے سے افراط وتفریط کا عالم ہے، ایک طبقے کا خیال یہ ہے کہ عورت کا مرد کے شانہ بشانہ چلنا ہی اصل آزادی اور مساوات ہے، عورتوں اور مردوں کے مابین میل جول کو روکنا یا دونوں کے میدان کار کو علیحدہ کرنا، خواہ وہ تعلیمی میدان ہی کیوں نہ ہو، ان پر صریح ظلم اور حقوق انسانی کے خلاف ہے؛ لہٰذا انہوں نے عورت کو ڈاکٹر، انجینئر، آفیسر، اور پائیلیٹ وغیرہ بننے کا نعرہ دیا؛ اور تعلیم کے نام پر اس کی عفت وعصمت کو مخدوش کردیا، جس کے نتیجے میں مخلوط نظام تعلیم نے بھی جنم لیا، جس کے مفاسد اور نقصانات نظروں سے پوشیدہ نہیں ہیں؛ انہوں نے مساوات کا مطلب یہ سمجھا کہ عمل میں مساوات ہو، حالاں کہ مرد وعورت کے درمیان عمل میں مساوات نہیں ہے، دونوں کی تخلیق الگ الگ کاموں کے لیے ہوئی ہے، جو ان کی فطرت کے مطابق ہے؛ بلکہ حیثیت میں مساوات ہے، کہ دونوں یکساں عزت واحترام اور اخلاقی سلوک کے لائق ہیں۔

دوسرے طبقے کا کہنا یہ ہے کہ عورت کی حیثیت صرف یہ ہے کہ اسے گھر کی چہار

دیواری میں اس طرح محصور کر دیا جائے کہ اس کا تعلق صرف امور خانہ داری سے رہے، حتیٰ کہ اسے تعلیم سے آراستہ کرنا بھی مناسب نہیں ہے؛ ان کے خیال میں عورتوں کو یہ حق ہی حاصل نہیں کہ وہ پڑھ لکھ کر اپنی زندگیاں سنوار سکیں، اپنے روشن مستقبل کی تعمیر کر سکیں، اور اپنی اولاد کی تربیت کر سکیں۔

تعلیم نسواں؛ اسلامی نقطۂ نظر:

اسلام ان دونوں نظریوں کے درمیان اعتدال کی راہ اپناتا ہے، اسلام نہ تو عورتوں کو بے محابا میدان عمل میں آنے کی اجازت دیتا ہے اور نہ ہی ان کو قید کرتا ہے، بلکہ ان کی صنفی نزاکت کا لحاظ رکھتے ہوئے قیود و شرائط کے ساتھ انہیں وہ تمام علوم حاصل کرنے اور ان سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دیتا ہے جن کی انہیں دنیوی یا اخروی اعتبار سے ضرورت ہے؛ اسلام نے تعلیم نسواں پر کسی طرح کی کوئی پابندی نہیں لگائی ہے، بلکہ اسلام ان علوم وفنون اور تعلیم کے ان طریقوں سے منع کرتا ہے جو صنف نازک کو اس کی نسوانیت سے محروم کر کے حیا باختہ اور آوارہ بنا دیں۔

دینی اور عصری تعلیم:

آج کل مسلمانوں میں تعلیم کے تعلق سے دینی اور دنیوی کی اصطلاح قائم ہوگئی ہے، قرآن وحدیث کی تعلیم کو دینی تعلیم تصور کیا جاتا ہے اور عصری علوم کے سیکھنے سکھانے کو دنیوی تعلیم کہا جاتا ہے؛ حالاں کہ اسلام نے علم کی ایسی کوئی تقسیم نہیں کی ہے، بلکہ علم کی دوسری دو قسمیں کی گئی ہیں: علم نافع اور علم غیر نافع، جو علم انسانیت کے لیے مفید اور کار آمد ہو وہ علم نافع ہے اور جو علم انسانیت کے لیے ضرر رساں اور تخریب کی طرف لے جاتا ہو وہ علم غیر نافع ہے؛ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علم نافع کی دعا مانگی ہے اور علم غیر نافع سے

پناہ چاہی ہے۔

اسلام نے عورت کے لیے دینی تعلیم کو ضروری قرار دیا ہے۔ دین کی بنیادی باتوں کا علم، عقائد، عبادات، معاملات اور معاشرت وغیرہ کے بنیادی مسائل، حلال وحرام کا جاننا اور ان تمام باتوں کا علم کہ دین پر عمل کرنے اور دین کو قائم رکھنے کے لیے جن کی ضرورت پڑے، ہر ایک کے لیے لازم اور ضروری ہے؛ اور اس میں مرد اور عورت کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ جہاں تک عصری علوم کی بات ہے تو اسلام نے عورت کو عصری علوم حاصل کرنے کی بھی اجازت دی ہے، بشرطیکہ شریعت کے حدود و قیود اور ضوابط کا پاس ولحاظ رکھا جائے اور ان علوم کے حاصل کرنے سے کسی طرح کے مفاسد کا اندیشہ نہ ہو۔

آخری بات

الغرض اسلام نے جہاں عورت کو بے شمار حقوق دیے ہیں، وہیں اس کی تعلیم وتربیت پر بھی خصوصی زور دیا ہے؛ آیاتِ قرآنیہ اور احادیث نبویہ میں علم کی اہمیت وضرورت بیان کرتے ہوئے تعلیم وتربیت کی ترغیب دی گئی ہے اور دینی تعلیم کو ہر فرد کے لیے لازم قرار دیا گیا ہے۔ اسلام نے تعلیم نسواں کو اہمیت دیتے ہوئے ان لوگوں کو کامیابی اور جنت کی خوش خبری سنائی ہے جو اپنی بیٹیوں اور بہنوں کی تعلیم وتربیت پر توجہ دیں اور اس وقت تک ان کی کفالت کا ذمہ اٹھائیں جب تک کہ ان کی شادی نہ ہو جائے؛ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جس آدمی نے تین بیٹیوں یا تین بہنوں یا دو ہی بیٹیوں یا بہنوں کا بوجھ اُٹھایا (پرورش کی) اور ان کی اچھی تربیت کی اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور پھر ان کا نکاح بھی کر دیا، تو اللہ تعالی کی طرف سے اس آدمی کے لیے جنت کا فیصلہ ہے۔ (جامع ترمذی، سنن ابو داؤد)

لہٰذا مسلمانوں کی یہ اہم دینی وشرعی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی لڑکیوں اور خواتین کو

دینی تعلیم دلائیں۔ وہ لڑکیاں اور ان کے والدین قابل مبارک باد ہیں، جنہوں نے اپنی بچیوں کی دینی تعلیم کا نظم کیا اور انہیں معیاری دینی تعلیمی اداروں میں داخل کیا۔

تعلیم نسواں اور مدارس البنات کے تعلق سے بہت سے پہلو ابھر کر سامنے آتے ہیں، مثلاً: خواتین کی تعلیم وتربیت کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟ دور نبوت میں بھی عالمات تھیں یا نہیں؟ ان کا طریقۂ تعلیم کیا تھا؟ بعد کے ادوار میں خواتین کی تعلیم کس طرح ہوئی؟ مدارس البنات کا آغاز کیوں اور کب ہوا؟ ان کا سلسلہ کہاں سے ملتا ہے؟ موجودہ دور کے مدارس البنات کی کیا حیثیت ہے؟ مدارس البنات کی ضرورت ہے یا نہیں؟ مدرسۃ البنات قائم کرنا کیسا ہے؟ لڑکیوں کی تعلیم کے لیے کس طرح کا ادارہ ہونا چاہئے؟ مدارس البنات کا تعلیمی وتربیتی نظام کیسا ہو؟ خواتین کی تدریس کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟ مخلوط تعلیم کے بارے میں اسلام کا کیا موقف ہے؟ وغیرہ۔ زیر نظر کتاب میں انہی تمام پہلوؤں کی وضاحت کی گئی ہے، اور اسلامی نقطۂ نظر کو واضح کیا گیا ہے۔ آخر میں مدرسۃ البنات کے ذمہ داران اور طالبات کے لیے کچھ اہم ہدایتیں، نصیحتیں اور مشورے بھی بیان کیے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالی اس کتاب کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر امت کی رہنمائی کا ذریعہ بنائے۔ (آمین)

محمد قاسم اوجھاری

خواتین کی دینی تعلیم وتربیت

(قرآن وحدیث کی روشنی میں)

انسانی معاشرے کی تعمیر وترقی کے لیے تعلیم وتربیت، علم وآگہی اور شعور بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔ دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ طبقۂ نسواں معاشرے کا آدھا حصہ ہے، لہٰذا خواتین کی تعلیم وتربیت معاشرہ کی اصلاح اور فلاح وبہبودگی کے لیے ضروری اور ناگزیر ہے۔ لفظ تعلیم وتربیت دو اجزاء سے مرکب ہے، ایک تعلیم یعنی زندگی گذارنے کے لیے بنیادی اوصاف کا شعور دینا، سکھانا، پڑھانا؛ دوسرا لفظ تربیت ہے، جس سے مراد پرورش کرنا، اچھی عادات اور اچھے اخلاق سکھانا، اخلاق رذائل سے بچانا، خوف خدا اور تقوی پیدا کرنا؛ تعلیم وتربیت دونوں اسلام میں بنیادی اہمیت کے حامل ہیں، اسلام نے علم اور تقوی یعنی تعلیم وتربیت کو ابتداء ہی سے بنیادی اہمیت دی ہے؛ شریعت اسلامیہ نے مرد وعورت دونوں پر یکساں حقوق وفرائض عائد کیے ہیں اور دونوں ہی اپنے فرائض کو پورا کرنے کے لیے یکساں مکلف اور ذمہ دار ہیں، اور یہ واضح امر ہے کہ جب تک اپنے فرائض سے متعلق کما حقہ واقفیت نہیں ہوگی، کوئی بھی اپنے فرائض سے صحیح طور پر عہدہ برآ نہیں ہوسکتا، لہٰذا جب تک دینی تعلیم حاصل نہ کی جائے تب تک دینی احکام پر عمل کرنا ناممکن ہے، گویا علم دین حاصل کیے بغیر دینی احکامات کی بجا آوری ہو ہی نہیں سکتی، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے دینی تعلیم کو مرد وعورت دونوں کے لیے یکساں لازم اور ضروری قرار دیا ہے۔

علم اور تعلیم کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے اپنے محبوب

اور آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جب نزول وحی کی ابتدا فرمائی تو پہلا حکم ہی پڑھنے کا نازل فرمایا۔ اس پر تمام ائمہ ومفسرین کا اتفاق ہے کہ نزول وحی کا آغاز ''سورۃ العلق'' کی ابتدائی پانچ آیات مبارکہ سے ہوا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **قُلْ هَلْ يَسْتَوِيْ الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لاَ يَعْلَمُوْن** (سورہ زمر) آپ ان سے پوچھو! کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے کبھی برابر ہو سکتے ہیں۔ ایک دوسری آیت میں اہل علم کی فضیلت اس طرح بیان کی گئی ہے: **اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاء** (سورہ فاطر: ۲۸) بیشک اللہ کے بندوں میں سے اہل علم ہی اللہ سے ڈرتے ہیں۔ ان آیتوں میں مرد اور عورت کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ اسی طرح قرآن کی بہت سی آیتوں میں بلا تفریق مردوزن تدبر وتفکر کی دعوت دی گئی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلىٰ كُلِّ مُسْلِمٍ** (ابن ماجہ: ۲۲۴) علم حاصل کرنا ہر مسلمان (مرد وعورت) پر فرض ہے۔

ایک دوسری روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **ثَلاَثَةٌ لَهُمْ أَجْرَانِ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمَنَ بِنَبِيِّهِ وَآمَنَ بِمُحَمَّدٍ وَالْعَبْدُ الْمَمْلُوْكُ إِذَا أَدّٰى حَقَّ اللّٰهِ وَحَقَّ مَوَالِيْهِ، وَرَجُلٌ لَهُ أَمَةٌ فَأَدَّبَهَا فَأَحْسَنَ تَادِيْبَهَا وَعَلَّمَهَا فَأَحْسَنَ تَعْلِيْمَهَا ثُمَّ اَعْتَقَهَا فَتَزَوَّجَهَا فَلَهُ أَجْرَانِ** (صحیح بخاری: ۱/۲۰، مسلم: ۱/۸۶) تین شخص ایسے ہیں جن کے لیے دوہرا اجر ہے، ایک وہ اہل کتاب جو اپنے نبی پر ایمان لایا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لایا، دوسرا وہ غلام جو کسی کی ملکیت میں ہو اور اللہ کا حق ادا کرے اور اپنے آقا کا بھی حق ادا کرے، تیسرا وہ آدمی جس کی کوئی باندی ہو تو اس کو وہ ادب سکھائے تو اچھے طریقے پر ادب سکھائے، اور اس کو تعلیم دے تو اچھے طریقہ پر تعلیم دے، پھر اس کو آزاد کر کے اس کی شادی کر دے تو اس کے لیے بھی دو اجر ہیں۔ اس حدیث کے آخری جز کی شرح میں ملا علی قاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم صرف باندی

کے لیے نہیں ہے، بلکہ اپنی اولاد اور عام لڑکیوں کے لیے بھی یہی حکم ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۱/۷۹)

ایک صحابیہ حضرت شفا بنت عدویہ جو تعلیم یافتہ خاتون تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم نے جس طرح حفصہ کو نملہ (پھوڑے) کا رقیہ سکھایا ہے، اسی طرح لکھنا بھی سکھا دو۔ (فتوح البلدان: ۱/۴۵۸)

سورۃ البقرہ کی آیات کے متعلق آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: تم خود بھی ان کو سیکھو اور اپنی خواتین کو بھی سکھاؤ۔ (سنن دارمی: ۹۳۳)

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم ''وفود'' کو بھی نصیحت فرماتے کہ تم اپنے گھر واپس جاؤ، اپنے اہل خانہ کے ساتھ رہو، ان کو دین کی تعلیم دو اور ان سے دینی احکام پر عمل کراؤ۔ (صحیح بخاری: ۱/۳۶)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی عورتوں کی تعلیم کا بہت اہتمام فرماتے تھے، اور خواتین کی خواہش پر آپ نے ان کی تعلیم کے لیے باضابطہ ایک دن مقرر فرما دیا تھا؛ حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے: **قَالَتِ النِّسَاءُ لِلنَّبِيِّ صَلّٰى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَلَبَنَا عَلَيْکَ الرِّجَالُ فَاجْعَلْ لَنَا يَوْمًا مِنْ نَفْسِکَ فَوَعَدَهُنَّ يَوْمًا لَقِيَهُنَّ فِيْهِ فَوَعَظَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ۔** (صحیح بخاری: ۱/۵۷) عورتوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ (آپ کی تعلیم و تربیت کے بارے میں) مرد ہم پر غالب ہیں، لہٰذا آپ اپنی طرف سے ایک دن ہمارے لیے مقرر کر دیجیے، چناں چہ آپ نے ان سے ایک دن کا وعدہ فرما لیا، جس میں ان کو وعظ اور احکام سناتے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ دور نبوت میں خواتین میں حصول علم کے تئیں کس قدر شوق اور جذبہ تھا! اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے شوقِ طلب علم اور ذوق و جستجو کی قدر کرتے ہوئے ان کی تعلیم و تربیت کا کس قدر اہتمام فرماتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کی تعلیم و تربیت کے لیے جو

دن مخصوص کیا تھا، اس دن میں خواتین آپ کی خدمت میں حاضر ہوتیں تھیں اور آپ سے مختلف قسم کے سوالات اور روزمرہ کے مسائل کا حل بھی پوچھتیں تھیں؛ اس کے علاوہ آپ نے امہات المؤمنین کو بھی حکم دے رکھا تھا کہ وہ خواتین کو دینی مسائل سے آگاہ کیا کریں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین میں طلب علم کی ایسی چنگاری سلگا دی تھی کہ حصول علم میں وہ حیاء کو بھی حجاب نہ بننے دیتی تھیں۔ اس سلسلے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خواتین انصار کی تعریف اس طرح کی کہ: خواتین انصار بہترین عورتیں ہیں کہ وہ حیاء کو دین کے سمجھنے میں رکاوٹ نہیں بننے دیتیں۔ (صحیح بخاری، کتاب العلم)

حضرت ابووائل رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں بیٹی کی تربیت کرنے کی صراحت موجود ہے۔ (مجمع الزوائد ۸/۱۵۸)

عہد نبویؐ کے بعد خلفائے راشدین کے دور میں بھی خواتین کی تعلیم وتربیت کی طرف بھرپور توجہ دی گئی۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی مملکت کے تمام اطراف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان جاری کر رکھا تھا: **عَلِّمُوْا نِسَائَکُمْ سُوْرَۃَ النُّوْرِ** (الدر المنثور: ۵/۸۱۔ شعب الایمان، رقم: ۲۲۰۵) کہ اپنی خواتین کو سورۃ النور ضرور سکھاؤ، کیوں کہ اس میں خانگی اور معاشرتی زندگی سے متعلق بہت سے مسائل اور احکام موجود ہیں۔

الغرض! اسلام نے جہاں طلب علم اور تربیت پر خصوصی زور دیا ہے، وہیں اس میں مرد اور عورت کے درمیان کوئی تفریق نہیں کی ہے، دونوں کے لیے حصول علم اور تربیت کو یکساں لازم اور ضروری قرار دیا ہے۔

دورِ نبوت میں خواتین کی تعلیم کے طریقے

جس طرح آج کے زمانے میں خواتین کی تعلیم وتربیت کے لیے مدارس ومکاتب اوراقامتی جامعات وغیرہ قائم ہیں، دورِنبوت میں اس طرح کا نظام نہیں تھا؛ دورِنبوی میں صحابیات وخواتین مختلف طریقوں سے تعلیم حاصل کرتی تھیں، ان کے مناسبِ حال تعلیم کا باقاعدہ انتظام تھا، مثلاً ان کے خصوصی اجتماعات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جاکر تعلیم وتلقین اور وعظ فرمایا کرتے تھے، بہت سی خواتین حضرت عائشہؓ اور اُمّ سلمہؓ کے ذریعہ حضورؐ سے مسائل معلوم کرتی تھیں، اسی طرح مجلس نبوی میں حاضر باش صحابہ کرام اپنی بیویوں اور عورتوں کو احادیث سناتے اور تعلیم دیتے تھے، سن رسیدہ اور رشتے کی عورتیں خود حضور سے براہِ راست دینی باتیں معلوم کرتی تھیں، بہت سی خواتین امہات المؤمنین سے شرعی مسائل سیکھتیں اور دینی تعلیم حاصل کرتی تھیں؛ غرض دورِنبوت میں مستورات کی تعلیم کے مختلف طریقے تھے۔ تعلیم کے لیے خواتین کا ایک جگہ جمع ہونا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کی درخواست پر ان کی تعلیم کے لیے ایک دن مخصوص کرنا بھی صحیح احادیث سے ثابت ہے، امام بخاری نے اپنی صحیح میں ''**هل يجعل للنساء يوماً على حدة في العلم**'' کے عنوان سے ایک باب قائم کیا ہے، اور اس کے تحت حضرت ابوسعید خدریؓ کی یہ روایت نقل کی ہے: **قَالَتِ النِّسَاء لِلنَّبِيِّ صَلّٰى اللّٰہُ عَلَيۡہِ وَسَلَّمَ غَلَبَنَا عَلَيۡکَ الرِّجَالُ فَاجۡعَلۡ لَنَا يَوۡمًا مِنۡ نَفۡسِکَ فَوَعَدَهُنَّ يَوۡمًا لَقِيَهُنَّ فِيۡهِ فَوَعَظَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ فكان فيما قَالَ لَهُنَّ مَا مِنۡكُنَّ امۡرَأَةٌ تُقَدِّمُ ثَلَاثَةً مِنۡ وَلَدِهَا إِلاَّ كَانَ لَهَا حِجَابًا مِنَ النَّارِ فَقَالَتِ امۡرَأَةٌ وَاثۡنَتَيۡنِ، فَقَالَ وَاثۡنَتَيۡنِ** (صحیح بخاری کتاب العلم: ۱/۳۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عورتوں نے کہا: آپ کی تعلیم وتربیت کے

بارے میں مرد ہم پر غالب ہیں، اس لیے آپ اپنی طرف سے ایک دن ہمارے لیے مقرر کریں، آپ نے ان سے ایک دن کا وعدہ فرمالیا، جس میں ان کو وعظ اور احکام سناتے، آپؐ نے ان سے کہا: تم میں سے جس عورت کے تین بچے فوت ہو گئے ہوں وہ اپنی ماں کے لیے جہنم کی آگ سے پردہ ہوں گے، اس پر ایک عورت نے کہا کہ جس عورت کے دو بچے فوت ہو گئے ہوں؟ آپؐ نے فرمایا کہ دو بچے بھی۔

امام بخاری نے ایک اور باب باندھا ہے، جس کا عنوان ہے: **باب عظة الامام النساء وتعليمهن** (امام کا عورتوں کو نصیحت کرنا اور تعلیم دینا)۔ اس کے تحت ایک روایت یہ نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبے کے بعد یہ خیال آیا کہ شاید عورتوں نے پوری بات نہ سنی ہو، پھر آپ ان کے قریب گئے اور ان کو الگ سے نصیحت فرمائی۔ (صحیح بخاری ۱/۳۱)

ایسا بھی ہوتا تھا کہ خواتین کوئی مسئلہ معلوم کرنے کے لیے کسی ایک خاتون یا ایک وفد کو نمائندہ بنا کر خدمت نبویؐ میں بھیجتی تھیں۔ چناں چہ حضرت اسماء بنت یزید بن انصاریہ اشہلیہ رضی اللہ عنہا جو نہایت عقل مند اور دیندار صحابیہ ہیں، ان کو ایک مرتبہ صحابیات نے اپنا نمائندہ بنا کر خدمت نبویؐ میں بھیجا، انہوں نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: میں مسلمانوں کی بیویوں کی طرف سے نمائندہ وفرستادہ بن کر حاضر ہوئی ہوں، وہ کہتی ہیں اور میں بھی کہتی ہوں کہ اللہ تعالی نے آپ کو مردوں اور عورتوں کی طرف مبعوث کیا ہے، ہم عورتیں آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی اتباع کی؛ ہم پردہ نشیں، گھروں میں رہنے والی، مردوں کی خواہش کا مرجع اور ان کی اولاد کی پرورش کرنے والی ہیں؛ مرد نماز با جماعت، جنازہ اور جہاد میں شرکت کی وجہ سے فضیلت اور ثواب کے مستحق ہوتے ہیں؛ وہ جب جہاد میں نکلتے ہیں، تو ہم ان کے مال کی حفاظت اور ان کی اولاد کی پرورش کرتی ہیں؛ یا رسول اللہ! کیا ہم اس حالت میں اجر وثواب میں مردوں کی

شریک ہوسکتی ہیں؟ حضورؐ اسماء بنت یزید کی یہ تقریر سن کر صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہوئے اوران سے پوچھا کہ: اسماء بنت یزید سے پہلے تم لوگوں نے دین کے بارے میں اس سے بہتر سوال کسی عورت سے سنا؟ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس سے پہلے ایسا سوال ہم نے نہیں سنا۔ اس کے بعد حضورؐ نے اسماء بنت یزید سے فرمایا: اسماء جاؤ! اوران عورتوں کو بتادو کہ ''أَنَّ حُسْنَ تَبَعُّلِ إِحْدَاكُنَّ لِزَوْجِهَا وَطَلَبِهَا لِمَرْضَاتِهِ وَاتِّبَاعِهَا لِمُوَافَقَتِهِ يَعْدِلُ كُلَّ مَا ذَكَرْتِ لِلرِّجَالِ'' تم میں سے کسی کا اپنے شوہر کے ساتھ حسن سلوک، اس کی مرضی کی جستجو اوراس کے مزاج کے مطابق اتباع اُن تمام باتوں کے برابر ہے، جن کا ذکر تم نے مردوں کے بارے میں کیا ہے؛ حضورؐ کی زبان مبارک سے یہ باتیں سن کر اسماء بنت یزید خوشی خوشی تکبیر وتہلیل کرتی ہوئیں واپس گئیں، اوران عورتوں کو حضورؐ کا فرمان سنادیا۔ (الاستیعاب ۲/ ۲۶۷۔ شعب الایمان، رقم: ۸۳۶۹)

بسا اوقات نبی صلی اللہ علیہ وسلم مختلف اوقات میں بھی وعظ وتلقین کے ذریعہ عورتوں کو تعلیم دیتے تھے۔ ایک مرتبہ آپؐ حضرت بلال کو لے کر عورتوں کے مجمع میں تشریف لے گئے اوران کو وعظ سنا کر صدقہ کرنے کا حکم دیا، تو ہر عورت جُھومکا اور انگوٹھی اتار کر دینے لگی اور حضرت بلالؓ ان کو اپنے دامن میں رکھنے لگے۔ (صحیح بخاری ۱/ ۲۰)

حضرت عائشہؓ کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کو جس بات میں بھی تردد ہوتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں مراجعت کرکے مطمئن ہوتی تھیں، یہی حال دوسری صحابیات کا بھی تھا۔

حضرت عائشہؓ اوران کی درس گاہ

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اکابر صحابہ کرام کی طرح حدیث، فقہ وفتاوی، طب، انساب، اشعار اور کئی علوم میں مرجع تھیں؛ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات

کے بعد پچاس سال زندہ رہیں اور مسلمانوں کی دونسلوں تک آپ علیہ السلام کی تعلیمات کو پہنچانے کا ذریعہ بنیں۔ محمد بن شہاب زہری کا قول ہے کہ اگر حضرت عائشہ اور تمام امہات المؤمنین کا علم جمع کیا جائے، تو حضرت عائشہ کا علم سب سے زیادہ اور افضل ہوگا۔ عروہ بن زبیر کہتے ہیں: میں نے فقہ، طب اور اشعار میں حضرت عائشہؓ سے بڑا عالم کوئی نہیں دیکھا۔ عروہ بن زبیر خود اشعار کے بہت بڑے عالم اور راوی تھے، ان سے اس بارے میں تذکرہ کیا گیا تو کہا کہ عائشہؓ کے مقابلہ میں میری شعری روایت ہیچ ہے، ان کے سامنے جب کوئی بات پیش کی جاتی تھی تو اس کے متعلق شعر سناتی تھیں۔ حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں: ہم کو دینی معاملات ومسائل میں جو بھی مشکل پیش آئی اور ہم نے اس کے بارے میں عائشہؓ سے سوال کیا، تو ان کے یہاں اس کا علم پایا۔ مسروق بن اجدع کا بیان ہے: ''رَأَیْتُ مَشِیْخَۃَ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْأَکَابِرَ یَسْأَلُوْنَھَا عَنِ الْفَرَائِضِ'' میں نے حضورؐ کے کبار مشائخ صحابہ کو دیکھا کہ وہ حضرت عائشہؓ سے فرائض کے بارے میں سوالات کرتے ہیں۔ اور مسروق جب حضرت عائشہؓ کی حدیث بیان کرتے تو یوں کہتے: ''حَدَّثَتْنِيْ الصَّادِقَۃُ ابْنَۃُ الصِّدِّیقِ حَبِیْبَۃُ حَبِیْبِ اللّٰہِ تَعَالیٰ الْمبرأۃُ مِنْ فَوْقِ سَبْعِ سَمَاوَاتٍ'' مجھ سے اس سچی عورت نے حدیث بیان کی جو صدیق کی بیٹی ہیں، اللہ کے محبوب کی محبوبہ ہیں، ساتوں آسمان کے اوپر سے جن کی برأت نازل ہوئی ہے۔ عروہ بن زبیر کا بیان ہے کہ میں کسی ایسے عالم کی مجلس میں نہیں بیٹھا جو قضا، حدیث، جاہلیت، فرائض، شعر اور طب میں عائشہؓ سے بڑھا ہوا ہو۔ عطاء بن ابو رباح کہتے ہیں: ''کَانَتْ عَائِشَۃُ أَفْقَہَ النَّاسِ وَأَعْلَمَ النَّاسِ وَأَحْسَنَ النَّاسِ رَأْیًا فِيْ الْعَامَّۃِ'' حضرت عائشہؓ سب سے بڑی فقیہہ، سب سے بڑی عالمہ اور رائے مشورے میں سب سے بہتر تھیں۔ قاسم بن محمد کا بیان ہے کہ حضرت عائشہؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانے میں اور ان کے بعد تاحیات فتوی دیا کرتی تھیں؛ میں ان کی

خدمت میں پڑا رہتا تھا، اسی کے ساتھ حضرت ابن عباس، ابو ہریرہ اور ابن عمرؓ کی مجلسوں میں بیٹھا ہوں اور ان سب حضرات سے بہت علم حاصل کیا ہے۔ محمود بن لبید کہتے ہیں: ازواج مطہرات نے حضورؐ کی احادیث کو زیادہ یاد کیا ہے، مگر ان میں عائشہؓ اور ام سلمہ آگے ہیں، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانے میں حضرت عائشہؓ فتوی دیتی تھیں، اور یہ دونوں حضراتِ صحابہ ان کے پاس آدمی بھیج کر سنن واحادیث کے بارے میں سوالات کرتے تھے۔ (طبقات ابن سعد: ۲/۳۷۵۔ الاصابہ: ۸/۱۴۰۔ اعلام الموقعین: ۱/۱۷۔ تذکرۃ الحفاظ: ۱/۲۷۔ تهذیب التہذیب ۱۲/۴۳۵)

عہد نبوی اور عہد صحابہ و تابعین میں خواتین کی تعلیم وتربیت کے لیے انفرادی و اجتماعی انداز سے درس وتدریس کا دور دورہ تھا۔ حضرت عائشہ کا درس بہت مشہور تھا، حضرت عائشہؓ سے تعلیم حاصل کرنے والے، ان سے استفادہ کرنے والے اور ان کے علوم کے حاملین ورواۃ مردوں اور عورتوں میں بڑی تعداد میں ہیں، اکابر صحابہ وصحابیات کی ایک بڑی جماعت نے بھی ان سے علم وتفقہ حاصل کیا اور روایت کی، صرف ''مسند احمد'' میں حضرت عائشہ کے ۲۱۲ شاگردوں کا ذکر موجود ہے۔ مردوں میں ان کے بھتیجے قاسم بن محمد بن ابوبکر اور بھانجے عروہ بن زبیر اور عورتوں میں عمرہ بنت عبدالرحمن انصاریہ خاص مقام رکھتے ہیں، جو ان کی فقہی آراء اور اقوال پر شدت سے عمل کرتے تھے؛ عمرہ بنت عبدالرحمن حضرت عائشہ کی پروردہ ہیں، ان کے پاس حضرت عائشہ کی احادیث کا بڑا ذخیرہ تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے خاص طور سے ان کی احادیث جمع کرنے کا حکم دیا تھا۔ علی ابن مدینی کا قول ہے کہ عمرہ بنت عبدالرحمن حضرت عائشہ کے ثقات واثبات شاگردوں میں سے ہیں۔ ابن حبان کا قول ہے کہ عمرہ بنت عبدالرحمن حضرت عائشہؓ کی احادیث کی سب سے بڑی عالمہ ہیں۔ سفیان ثوری کہتے ہیں: حضرت عائشہؓ کی احادیث کے بارے میں عمرہ، قاسم اور عروہ اثبت واصح ہیں۔ قاسم بن محمد کے صاحب

زادے عمرہ سے حضرت عائشہؓ کی احادیث معلوم کیا کرتے تھے۔ (طبقات ابن سعد ۸/ ۴۸۰۔ تہذیب التہذیب ۱۲/ ۴۳۸۔ سیرت ابن ھشام)

حضرت عائشہ کا حلقۂ تعلیم اور مجلس درس رسمی طور پر منعقد نہیں ہوتی تھی، بلکہ وہ حجرہ میں رہتی تھیں، صحابہ وتابعین فقہ وفتاوی میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے اور اپنے متعلقین کے ذریعہ سوالات کرتے تھے، عام طور سے یہ خدمت حضرت عائشہ کے بھتیجے، بھانجے، خادمہ اور دوسرے قریبی رشتہ دار انجام دیتے تھے؛ خواتین حاضر خدمت ہوکر براہ راست تعلیم حاصل کرتی تھیں، کچھ لڑکیاں زیر تربیت رہتی تھیں۔ اس کے علاوہ مختلف شہروں اور علاقوں سے لوگ خطوط کے ذریعے حضرت عائشہ سے علم حاصل کرتے تھے۔ عائشہ بنت طلحہ کہتی ہیں: **قُلْتُ لِعَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا وَأَنَا فِيْ حجرِهَا وَكَانَ النَّاسُ يَأْتُوْنَهَا مِنْ كُلِّ مِصْرَ فَكَانَ الشُّيُوْخُ يَنْتَابُوْنَ لِمَكَانِيْ مِنْهَا وَكَانَ الشَّبَابُ يَتَأَخَّرُنِيْ فَيَهْدُوْنَ إِلَيَّ وَيَكْتُبُوْنَ إِلَيَّ مِنَ الْأَمْصَارِ فَأَقُوْلُ لِعَائِشَةَ يَا خَالَةُ! هٰذَا كِتَابُ فُلاَنٍ وَهَدْيَتُهُ فَتَقُوْلُ لِيْ عَائِشَةَ أَيْ بنية فَأَجِيْبِيْ وَاثيبي فَإِنْ لَمْ عِنْدَكَ ثَوَابُ اَعْطَيْتُكَ فَقَالَتْ تَعْطِيْنِيْ** (الأدب المفرد: ۲/۴۰) میں حضرت عائشہؓ کے زیر تعلیم وتربیت تھی، مختلف شہروں کے اہل علم ان کی خدمت میں استفادہ کے لیے آتے تھے، ان میں سے شیوخ اور سن رسیدہ لوگ مجھ کو حدیث وفقہ اور مسائل معلوم کرنے کے لیے باری باری سے حضرت عائشہ کے پاس بھیجتے تھے، اور نئے اہل علم میری دل جوئی کے لیے ہدیہ بھی دیا کرتے تھے، اس کے علاوہ مختلف علاقوں کے اہل علم میرے پاس خطوط لکھ کر حضرت عائشہ سے علم حاصل کرتے تھے، میں ان سے کہتی تھی کہ خالہ! یہ فلاں کا خط ہے اور یہ ہدیہ ہے، تو فرماتی تھیں کہ اے بیٹی! تم اس شخص کو میرا جواب پہنچا دو اور اس کے ہدیہ کے عوض ہدیہ دے دو، اگر تمہارے پاس ہدیہ کی کوئی چیز نہیں ہے تو میں دے دوں؛ یہ کہہ کر مجھ کو ہدیہ دینے کے لیے کوئی چیز دیتی تھیں۔

حضرت عمرہ انصاریہ اوران کا حلقۂ تعلیم

حضرت عمرہ بنت عبدالرحمن بن اسعد بن زرارہ نجاریہ انصاریہ بڑی عالمہ فاضلہ خاتون تھیں، صحابیٔ رسول حضرت عبدالرحمن بن اسعدؓ کی صاحب زادی ہیں، آپ کی والدہ کا نام سالمہ بنت حکیم بن ہاشم ہے، عبدالرحمن بن حارثہ بن نعمان نے آپ سے نکاح کیا تھا، جن سے محمد بن عبدالرحمن ابوالرجال پیدا ہوئے۔ دینی تعلیم وتربیت کے لیے آپ اور آپ کی بہنیں حضرت عائشہ کی پرورش اور تربیت میں رہتی تھیں، آپ نے حضرت عائشہؓ کے زیر تربیت رہ کر حدیث وفقہ کی تعلیم حاصل کی، بعد میں حضرت عائشہؓ کے علوم کی جامع وترجمان بنیں، آپ نے حضرت عائشہؓ سے بہت زیادہ احادیث کی روایت کی ہے، اسی طرح ام المؤمنین حضرت ام سلمہ، ام ہشام بنت حارثہ بن نعمان، حبیبہ بنت سہل اورام حبیبہ بنت جحش سے بھی روایت کی ہے، آپ سے روایت کرنے والوں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔

حضرت عائشہ کی طرح آپ نے بھی فقہ وفتاوی اور حدیث کی تعلیم دی ہے، آپ اپنے رشتہ داروں اور خاندان والوں کو بالمشافہ حدیث اور فقہ وفتاوی کی تعلیم دیتی تھیں، اس کے علاوہ پس پردہ کرخوب علمی ودینی فیض پہنچاتی تھیں، طریقۂ تعلیم وتدریس وہی تھا جواس زمانے میں رائج تھا؛ ان کا حلقۂ تعلیم اتنا وسیع تھا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز ان سے حدیث اور فقہ وفتاوی کے بارے میں سوالات کیا کرتے تھے، اور کہتے تھے: ”مَا بَقِيَ أَحَدٌ اعْلَمَ بِحَدِيْثِ عَائِشَةَ مِنْهَا يَعْنِيْ عُمْرَةَ“ حضرت عائشہؓ کی احادیث کے بارے میں عمرہ سے بڑا کوئی عالم باقی نہیں رہا۔ ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ابوبکر محمد بن حزم انصاری کولکھا کہ ”اُنْظُرْ مَا كَانَ مِنْ حَدِيْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ أَوْ سُنَّةً مَاضِيَةً أَوْ حَدِيْثِ عمرَةَ بِنْتِ عَبَدِ الرَّحمنِ فَاكْتُبْهُ فَإِنِّيْ خَشِيتُ دُرُوْسَ الْعِلْمِ وَذهَابِ أَهْلِهِ'' (طبقات ابن سعد:۲/۳۸۷) تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث یا سنت ماضیہ یا عمرہ بنت عبد الرحمن کی حدیثوں کو تلاش کرو اور ان کو لکھو، کیوں کہ میں علم دین اور اہل علم کے اٹھائے جانے سے خوف زدہ اور متفکر ہوں۔ قاسم بن محمد بن ابوبکر بھی حضرت عمرہ سے علمی استفادہ کرتے تھے، علی بن عبد اللہ مدینی حضرت عمرہ کا تذکرہ بڑے اہم انداز میں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ عمرہ حضرت عائشہ کی احادیث کے ثقات وثبات علماء میں سے ہیں۔ (طبقات ابن سعد: ۸/۴۸۰۔ تهذیب التہذیب:۱۲/۴۳۸)

خواتین کے تعلیمی حلقے اور دروس

بعض روایات اور تاریخ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی صدیوں میں خواتین کی تعلیم وتربیت کے لیے علمی دروس کے حلقے اور مجلسیں منعقد ہوتی تھیں۔ خواتین اپنے گھروں، دوسروں کے گھروں، مسجدوں، رباطات، باغات اور دیگر مقامات میں تعلیمی حلقے لگاتی تھیں؛ اسلام میں تین مسجدوں (مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد اقصی) کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے، مؤرخین نے صراحت کی ہے کہ ان سب مسجدوں میں خواتین کی علمی مجلسیں منعقد ہوتی تھیں اور خواتین باقاعدہ درس دیتی تھیں؛ مسجد حرام میں درس دینے والی خواتین میں ام محمد سارہ بنت عبد الرحمن المقدستیہ، مسجد نبوی میں درس دینے والی خواتین میں ام الخیر اور ام محمد فاطمہ بنت ابراہیم بن محمود بن جوہر بعلبکی المعروف بالبطائحی، شیخ تقی الدین سلیمان بن حمزہ کی بیوی زینب بنت نجم الدین اسماعیل المقدستیہ، ام محمد زینب بنت احمد بن عمر المقدستیہ اور مسجد اقصیٰ میں درس دینے والی خواتین میں ام درداء

تابعیہ اور ام محمد ھدیہ بنت علی بن عسکر بغدادی کافی شہرت رکھتی ہیں۔

اسلامی تاریخ میں دمشق کی مسجد اموی بھی غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے۔اس میں بھی خواتین کے درس وتدریس کی مجلسیں قائم ہوتی تھیں۔ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے کہ اس نے ۷۲۶ھ میں مسجد اموی کی زیارت کی اور وہاں متعدد خواتین مثلا زینب بنت کمال الدین احمد بن ابراہیم اور عائشہ بنت محمد بن مسلم حرانیہ سے حدیث کی سماعت کی۔ (تحفة النظار في غرائب الامصار وعجائب الاسفار المعروف برحلة ابن بطوطه ۱/۷۹مصر)

خطیب بغدادی نے بہت سی عالمات، محدثات اور فقیہات کی قیام گاہوں کی نشاندہی فرمائی ہے؛جس میں ان کے تعلیمی حلقے منعقد ہوتے تھے۔اور لکھا ہے کہ بہت سی عالمات فاضلات نے مختلف شہروں میں بھی درس دیا ہے اور دینی علوم کو چلتے پھرتے عام کیا ہے۔خلدیہ بنت جعفر بن محمد بغدادیہ ایک مرتبہ عجم کے علاقوں کے سفر پر نکلیں، تو مقام ''دینور'' میں ان سے خطیب ابوالفتح منصور بن ربیعہ زہری نے حدیث کی روایت کی۔(تاریخ بغداد ۱۴/۴۴۴)

مسندۂ وقت ست الوزراء بنت عمر تنوخیہ نے متعدد بار مصر اور دمشق میں صحیح بخاری اور مسند شافعی کا درس دیا۔آمنہ بنت عنان نے بغداد اور موصل میں اسباق کی مجلسیں منعقد کرکے حدیث کی روایت کی۔(الاکمال)

دورِ نبوت کی چند عالمات

صحابہ اور تابعین کی طرح صحابیات اور تابعیات بھی محدثہ، مفسرہ، فقیہہ، عالمہ، فاضلہ، مفتیہ اور کاتبہ وغیرہ تھیں؛حضرت عائشہؓ محدثہ اور فقیہۃ الامت تھیں۔حضرت ام سلمہ بھی فقیہہ ومفتیہ تھیں۔حضرت زینب بنت ابوسلمہ جو حضرت اُمّ سلمہ کی لڑکی اور حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کی پروردہ تھیں، تابعی ابو رافع ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ میں مدینہ میں کسی عورت کو فقیہہ سمجھتا ہوں تو زینب بنت ابوسلمہ کو سمجھتا ہوں۔ان کے بارے میں لکھا ہے کہ: ''كَانَتْ مِنْ أَفْقَهِ نِسَاءِ أَهْلِ زَمَانِهَا'' وہ اپنے زمانے کی عورتوں میں سب سے زیادہ فقیہہ تھیں۔ (الاستیعاب: ۲/۷۵۶۔ تہذیب التہذیب: ۱۲/۴۲۲) حضرت اُم درداء کبریٰ عاقلہ، فاضلہ، عابدہ، فقیہہ اور بہت زیادہ علم رکھنے والی صحابیہ تھیں۔ (تذکرۃ الحفاظ، تہذیب التہذیب: ۱۱/۴۰۹) حضرت سعدہ بنت قمامہ نماز میں عورتوں کی امامت کرتی تھیں اور ان کے درمیان کھڑی ہوتی تھیں۔حضرت سمراء بنت نہیک اسدیہ کے تذکرہ میں لکھا ہے: عَمَرَتْ وَكَانَتْ تَمُرُّ فِي الْأَسْوَاقِ وَتَأْمُرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهٰى عَنِ الْمُنْكَرِ وَتَضْرِبُ النَّاسَ بِسَوْطٍ كَانَ مَعَهَا (الاستیعاب: ۲/۷۶۰) وہ زبردست عالمہ تھیں، انہوں نے بڑی عمر پائی، بازاروں میں جاتے ہوئے بھلائیوں کا حکم کرتی تھیں اور برائیوں سے روکتی تھیں، اور اپنے کوڑے سے لوگوں کو مارتی تھیں۔حضرت عائشہ، حفصہ، اُمّ سلمہ اور اُمّ ورقہ رضی اللہ عنہن قرآن کی حافظہ تھیں۔ حضرت حفصہ لکھنا پڑھنا دونوں جانتی تھیں۔ایک مرتبہ حضرت شفا بنت عبداللہ عدویہ سے حضورؐ نے فرمایا کہ تم نے جس طرح حفصہ کو پھوڑے کا ''رقیہ'' سکھایا ہے، کتابت یعنی لکھنا بھی سکھا دو۔حضرت شفا لکھنا جانتی تھیں۔حضرت اُمّ کلثوم بنت عقبہ اور حضرت کریمہ بنت مقداد بھی کاتبہ تھیں۔ (فتوح البلدان: ۴۵۸) حضرت ہند بنت اسید، اُمّ ہشام بنت حارثہ، رائطہ بنت حیان اور ام سعد بنت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہن قرآن کے بعض حصوں کی حافظہ تھیں؛ حضرت ام سعدؓ قرآن مجید کا درس بھی دیتی تھیں۔تفسیر میں حضرت عائشہؓ کو خاص کمال حاصل تھا، چناں چہ ''صحیح بخاری'' کے آخر میں ان کی تفسیر کا معتدبہ حصہ منقول ہے۔

دورِ نبوت میں بڑی بڑی محدثہ بھی تھیں، حافظ ابن حجر نے ''تقریب التہذیب''

میں ۸۲۴ ایسی خواتین کے نام ذکر کیے ہیں جنہیں روایت حدیث میں شہرت حاصل تھی؛ حدیث میں ازواج مطہرات عموماً اور حضرت عائشہؓ اور ام سلمہ خصوصاً تمام صحابیات سے ممتاز تھیں، حضرت عائشہؓ کی روایات ۲۲۱۰ ہیں، ان سے ۲۹۹ صحابہ وتابعین نے روایت کی ہے، جن میں ۶۷ خواتین ہیں۔ حضرت اُمّ سلمہؓ نے ۳۷۸ حدیثیں روایت کی ہیں، ان سے ۱۰۱ صحابہ وتابعین نے روایت کی ہے، جن میں ۲۳ خواتین ہیں۔ ان کے علاوہ حضرت ام عطیہ، اسماء بنت ابی بکر، ام ہانی اور فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہن سے بھی بڑی تعداد میں روایات مروی ہیں۔ عابدۃ المدینہ نامی ایک خاتون نے دس ہزار احادیث حفظ کی روایت کی ہے۔

دور نبوت کی محدثہ خواتین کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ''آکسفورڈ سینٹر فار اسلامک اسٹڈیز انگلینڈ'' نے راویات اور محدثات کے علمی ذخیرہ کو جمع کیا ہے، جس میں ہزاروں ایسی خواتین کا تذکرہ آیا ہے جنہوں نے علم حدیث کی روایت، تدریس اور تصنیف کی خدمات انجام دی ہیں؛ یہ عظیم ''انسائیکلوپیڈیا'' ڈاکٹر محمد اکرم ندوی نے مرتب کیا ہے۔ محدثات کے علاوہ راویات کی بھی ایک بڑی تعداد ذکر کی گئی ہے؛ راویات سے مراد وہ خواتین ہیں جنہوں نے براہِ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو سنا، یا آپ کے افعال کو دیکھا، یا دوسرے صحابہ وصحابیات سے سن کر بعد کے لوگوں سے روایت کی۔ ''اعلام النساء'' کے مصنف نے بھی تقریبا ۲۶۵ راویات کے حالات بیان کیے ہیں۔ اس کے علاوہ اس موضوع پر کئی کتابیں اور بھی لکھی گئی ہیں، جن میں مشہور بن حسن آل سلمان کی ''عنایة المرأة بالحدیث النبوی'' اور صالح یوسف معتوق کی ''جهود المرأة فی روایة الحدیث'' قابل ذکر ہیں۔

ان محدثات وعالمات میں بہت سی فقیہات ومفتیات بھی تھیں، جنہوں نے کتاب وسنت کے ساتھ فقہ وفتاوی میں بھی کمال حاصل کیا، اور فقیہہ ومفتیہ کی حیثیت سے شہرت

پائی،مسلمانوں نے بھی ان کے تفقہ وافتاء پر کامل اعتماد کے ساتھ عمل کیا۔علامہ ابن قیم کی تصریح کے مطابق تقریبا ۲۲ صحابیات فقہ وفتاوی میں مشہور تھیں،جن میں سات امہات المؤمنین شامل ہیں۔فقہ میں حضرت عائشہ خصوصی مقام رکھتی تھیں،آپ فقیہہ ومفتیہ تھیں،آپ کے فتاوی اس قدر ہیں کہ متعدد ضخیم جلدیں تیار ہوسکتی ہیں؛ آپ کے فتاوی خواتین کے مسائل کے علاوہ دین کی تشریح،عقائد اور امت کے اجتماعی معاملات پر مشتمل ہیں؛جن سے خلفائے راشدین بھی استفادہ کرکے ان کو عملی طور سے نافذ کرتے تھے، امام جلال الدین سیوطی کے ایک کتابچہ میں ان فتاوی کا تفصیلی ذکر موجود ہے۔ حضرت عائشہ نے بہت سے مسائل میں اپنے زمانے کے مفتیوں سے بھی اختلاف کیا اور اس کے جواب میں اپنے فتوے دیے،امام سیوطی نے ان فتاوی کو ایک کتابچہ میں جمع کیا ہے،جس کا نام **"عین الاصابۃ فی ما استدرکتہ عائشۃ علی الصحابۃ"** ہے۔

حضرت ام سلمہ بھی فقیہہ ومفتیہ تھیں،آپ کے فتاوی بھی کافی ہیں،مسائل میں آپ کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ اگر ان کے فتاوی جمع کیے جائیں تو ایک رسالہ تیار ہوسکتا ہے۔(اعلام الموقعین ۱/۱۰)

ان کے علاوہ حضرت صفیہ، حضرت حفصہ، حضرت ام حبیبہ، حضرت جویریہ، حضرت میمونہ،حضرت فاطمہ زہرا،حضرت ام شریک،حضرت ام عطیہ،حضرت اسماء بنت ابوبکر، حضرت لیلی بنت قائف، حضرت خولہ بنت تویت، حضرت ام الدرداء، حضرت عاتکہ بنت زید،حضرت سہلہ بنت سہیل،حضرت فاطمہ بنت قیس،حضرت زینب بنت ابوسلمہ،حضرت اُمّ ایمن،حضرت ام یوسف اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہن بھی قرآن وحدیث کی ماہر عالمہ،فقیہہ ومفتیہ تھیں،ان کے فتاوی بھی کتابوں میں موجود ہیں۔

اسلامی علوم وفنون کے علاوہ دیگر علوم میں بھی صحابیات اور تابعیات دست گاہ رکھتی تھیں،مثلاً علم اسرار میں حضرت ام سلمہ کو مکمل مہارت تھی۔خطابت میں حضرت اسماء

بنت سکن ؓ کا خاص شہرہ تھا اور ان کی تقریروں کا ڈنکا بجا ہوا تھا۔ تعبیر خواب میں حضرت اسماء بنت عمیس ؓ خاص ملکہ رکھتی تھیں اور اس فن میں وہ مشہور تھیں۔ طب اور جراحی میں حضرت رفیدہ اسلمیہ، ام مطاع، ام کبشہ، حمنہ بنت جحش، معاذہ، لیلی امیمہ، ام زیاد، ربیع بنت معوذ، ام عطیہ اور ام سلیم کو خاص مہارت حاصل تھی۔ شاعری میں حضرت خنساء، سعدی، صفیہ، عاتکہ، امامہ، مریدیہ، ہند بنت حارث، زینب بنت عوام اروی، عاتکہ بنت زید، ہند بنت اثاثہ، ام ایمن، قتیلہ عبدربہ، کبشہ بنت رافع، میمونہ، بلویہ اور رقیہ رضی اللہ عنہن زیادہ نامور تھیں؛ شاعری میں حضرت خنساء جیسے ذہن کی مالک خاتون تو آج تک پیدا ہی نہیں ہوئی، ان کی شاعری کا دیوان بھی چھپا ہوا ہے۔

بعد کے زمانے کی چند عالمات

بعد کے ادوار میں بھی خواتین کی تعلیم و تعلم کا سلسلہ برابر جاری رہا، اور بڑی بڑی محدثہ، محققہ، فقیہہ، مفتیہ، مفسرہ، شاعرہ، واعظہ، ادیبہ، زاہدہ، عالمات پیدا ہوتی رہیں؛ بہت سی عالمات ایسی بھی ہیں جنہوں نے وقت کے علماء اور ائمہ سے استفادہ کیا، اور بعض ایسی بھی ہیں جن سے بڑے بڑے علماء اور ائمہ نے استفادہ کیا؛ بہت سی باکمال خواتین ایسی بھی ہیں جو علمی میدانوں میں مردوں پر سبقت لے گئیں، اور حیرت کی بات یہ ہے کہ تیسری صدی ہجری سے نویں صدی تک ۵۵ محدثات صرف عائشہ نامی گذری ہیں، اسی طرح ۶۵ محدثات صرف زینب نام کی گذری ہیں۔ ان تمام خواتین اسلام کے حالات، کمالات اور خدمات تاریخ کے صفحات پر نقش ہیں اور تاریخ نے ان کو اپنے سینے میں محفوظ کر رکھا ہے۔

بعد کے ادوار کی تاریخ پر جب نظر ڈالی جاتی ہے تو بے شمار عالمات و فاضلات کا

تذکرہ ملتا ہے، مثلاً: مشہور تابعی اور فن حدیث اور تعبیر الرؤیا کے مستند امام حضرت محمد بن سیرین کی بہن ''حفصہ'' کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے صرف بارہ سال کی عمر میں قرآن کریم کو معنی اور مفہوم کے ساتھ حفظ کرلیا تھا۔ (تھذیب التھذیب: ۱۱/۴۰۹) اور یہ فن تجوید وقرأت میں بھی مقام امامت کو پہنچی ہوئی تھیں، چناں چہ حضرت محمد بن سیرینؒ کو جب تجوید کے کسی مسئلہ میں شبہ ہوتا تو شاگردوں کو اپنی بہن سے رجوع کرنے کا مشورہ دیتے تھے۔ (صفۃ الصفوۃ: ۴/۱۶)

حضرت سعید بن مسیب کی صاحب زادی ''درہ'' نے ان سے مروی تمام احادیث حفظ کرلی تھیں، خلیفۂ وقت عبد الملک بن مروان نے اپنے بیٹے اور ولی عہد ''ولید'' کے لیے ان کا رشتہ مانگا، لیکن ابن مسیب نے انکار کیا اور ان کا نکاح اپنے ایک شاگرد ابن ابی وداعہ سے کردیا، نکاح کے کچھ دن بعد جب شوہر حضرت سعید ابن مسیب کی علمی مجلس میں جانے لگے، تو بیوی نے کہا: ''**اجلس اعلمک علم سعید**'' یہیں رہیے، حضرت سعید کے پاس جو علم ہے، وہ میں ہی آپ کو سکھادوں گی۔ (المدخل لابن الحاج ۱/۲۱۵۔ طبقات ابن سعد ۵/۱۳۸۔ حلیۃ الاولیاء ۲/۱۶۷)

سیدہ نفیسہ جو حسن بن زید بن حسن بن علی بن ابی طالب کی صاحب زادی اور حضرت اسحاق مؤتمن بن جعفر صادق کی اہلیہ تھیں، بڑی صاحب علم وفضل اور صوفیہ خاتون تھیں، اپنے شوہر کے ساتھ مدینہ سے مصر چلی گئیں، وہاں ان کی شہرت دور دور تک پھیل گئی، قرآن کی حافظہ تھیں اور تفسیر وحدیث میں خصوصی امتیاز حاصل تھا۔ زرکلی نے لکھا ہے: ''**عالمۃ بالتفسیر والحدیث**'' کہ وہ تفسیر اور حدیث کی عالمہ تھیں۔ انہیں تفسیر وحدیث کے علاوہ دیگر علوم میں بھی درک حاصل تھا، ان کے علوم سے خواتین کے علاوہ مردوں کی معتد بہ تعداد نے بھی سیرابی حاصل کی اور خوب استفادہ کیا، ان کا لقب ''**نفیسۃ العلم والمعرفۃ**'' پڑ گیا تھا۔ ذوالنون مصری اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ

جیسے رفیع القدر اہل علم بھی دینی مسائل میں ان سے تبادلۂ خیال کرتے تھے۔امام احمد ابن حنبل ان کی علمی مجلسوں میں شریک ہوتے تھے۔(الاعلام ۸/۴۴۔الطبقات الکبری لابن سعد۔البدایۃ و النہایۃ)

امام مالک بن انس کی صاحب زادی کو پوری کتاب ''مؤطا'' یاد تھی، ان کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ اپنے والد کے حلقۂ درس میں دروازے کی اوٹ سے شریک رہتی تھیں، احادیث پڑھنے میں کوئی شخص غلطی کرتا تو وہ دروازہ کھٹکھٹا دیا کرتی تھیں، امام مالک سمجھ جاتے اور پڑھنے والے کی اصلاح کر دیتے تھے۔(الدیباج المذھب فی اعیان علماء المذھب ۱/۸۶)

فاطمہ بنت منذر بن زبیر بن عوام عہد تابعین کی عظیم محدثہ اور فقیہہ تھیں۔انہوں نے بہت سی احادیث کی روایت کی ہے، خاص طور سے اپنی دادی حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے؛ ان کی بیشتر روایات ان کے شوہر حضرت ہشام بن عروہ کے واسطے سے مروی ہیں۔(تہذیب التہذیب ۱۲/۴۴۴)

چوتھی صدی ہجری کی عالمہ فاطمہ نیشاپوریہ حافظۂ قرآن، مفسرہ اور فقیہہ کی حیثیت سے مشہور تھیں؛ انہیں علم قرأت میں بھی خوب کمال حاصل تھا۔حج کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے گئیں تو وہاں درس دینا شروع کیا، رفتہ رفتہ ان کا حلقۂ درس وسیع ہوتا چلا گیا اور ان کی شہرت دور دراز علاقوں تک پہنچ گئی، اسی وجہ سے انہیں مفسرہ فاطمہ نیشاپوریہ کہا جاتا تھا۔(اعلام النساء ۴/۱۴۷)

ام العز بنت محمد بن علی بن ابی غالب عبدری دانی (م ۶۱۰ھ) بہترین قاریہ تھیں، انہیں قرأت سبعہ میں مہارت حاصل تھی۔(اعلام النساء ۳/۲۶۹)

خدیجہ بنت ہارون (م ۶۹۵ھ) عمدہ قاریہ تھیں، ان کو قرأت سبعہ میں مہارت حاصل تھی، فن قرأت کی کتاب ''الشاطبیہ'' پوری ازبر یاد تھی۔(اعلام النساء ۱/۳۴۵)

خدیجہ بنت قیم بغدادیہ (م۶۹۹ھ) قرآن مجید کی بہت عمدہ قاریہ تھیں، بہت سے لوگوں نے ان سے تجوید وقرات کا علم حاصل کیا تھا، وعظ وارشاد کی مجلسیں بھی منعقد کرتی تھیں، جن میں بڑی تعداد میں لوگ شریک ہوتے تھے۔(اعلام النساء ۱/۳۳۹)

سلمٰی بنت محمد جزری (نویں صدی ہجری) اپنے وقت کی مشہور قاریہ تھیں، دس قرأتوں کے ساتھ قرآن مجید پڑھتی تھیں۔(موسوعہ شھیرات النساء ۱۴۵)

فاطمہ بنت محمد بن یوسف بن احمد بن محمد دیروطی (نوی صدی ہجری) بڑی عالمہ وفاضلہ خاتون تھیں، انہیں علم قراءت میں بھی مہارت حاصل تھی، ان سے عورتوں اور مردوں کی ایک بڑی جماعت نے استفادہ کیا۔(اعلام النساء ۴/۱۴۱)

امۃ الواحد بنت حسین بن اسماعیل (م۳۷۷ھ) فقہ شافعی میں غیر معمولی درک رکھتی تھیں۔اس کے علاوہ علم فرائض، حساب اور نحو کی بھی ماہر تھیں، حدیث کی روایت بھی کرتی تھیں؛ خاص بات یہ تھی کہ انہوں نے قرآن اور فقہ کو زبانی یاد کیا تھا۔وہ شیخ ابوعلی بن ابوہریرہ کے ساتھ فتوی دیا کرتی تھیں۔(العبر ۳/۴)

فاطمہ بنت عباس بغدادیہ (م۷۱۴ھ) کو فقہ حنبلی کے تمام اصول وفروع میں خوب مہارت حاصل تھی، انہیں علامہ ابن قدامہ مقدسی کی کتاب ''المغنی'' پوری ازبر یاد تھی۔ان سے فقہ حنبلی کے بارے میں کوئی سوال کیا جاتا تو اس کا نصوص کی روشنی میں جواب دیتی تھیں۔انہوں نے فقہ کی تعلیم علامہ ابن تیمیہ (م۷۲۸ھ) سے حاصل کی تھی۔(کتاب الذیل علی طبقات الحنابلہ ۲/۴۶۷)

ست الوزراء (م۷۴۳ھ) بڑی عالمہ فاضلہ خاتون تھیں، انہیں ''فقہ حنفی'' میں خوب مہارت حاصل تھی، انہوں نے امام ابوحنیفہ نور اللہ مرقدہ کی فقہ کا زیادہ تر حصہ یاد کر رکھا تھا۔(اعلام النساء ۲/۱۷۴)

شیخہ صالحہ (چھٹی صدی ہجری) عبدالواحد بن محمد بن علی شیرازی (جو ابوالفرج کے

لقب سے مشہور تھے) کی صاحب زادی تھیں اور زین الدین علی بن ابراہیم (جو ابن النجیہ کے نام سے مشہور تھے) کی والدہ تھیں۔ شیخ ابوالفرج اپنے وقت میں شام کے مشہور شیخ اور فقہ حنبلی کے امام تھے، فقہ میں ان کی متعدد تصانیف ہیں۔ انہوں نے "**کتاب الجواهر**" کے نام سے ۳۰ جلدوں میں ایک تفسیر لکھی تھی۔ ان کی صاحب زادی شیخہ صالحہ نے وہ پوری تفسیر یاد کر لی تھی۔ زین الدین بیان کرتے ہیں: میں اپنے ماموں سے تفسیر پڑھتا تھا، جب میں اپنی والدہ کے پاس آتا تو وہ مجھ سے دریافت کرتیں کہ آج تمہارے ماموں نے کس سورت کی تفسیر بیان کی؟ اور انہوں نے کیا کیا باتیں بتائیں؟ جب میں انہیں بتاتا، تو پوچھتیں کہ فلاں سورت کی تفسیر میں انہوں نے فلاں بات بتائی؟ میں جواب دیتا: نہیں۔ تو وہ فرماتیں: تمہارے ماموں نے فلاں آیت کی تفسیر میں فلاں فلاں باتیں چھوڑ دی ہیں۔ (کتاب الذیل علی طبقات الحنابلہ ۱/ ۴۴۰)

فاطمہ بنت محمد بن احمد سمرقندی (م ۵۸۱ھ) بڑی زبردست عالمہ تھیں، فقہ حنفی میں بہت شہرت رکھتی تھیں، ان کے والد علامہ سمرقندی مشہور محدث اور فقیہ تھے، فاطمہ نے ان سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور اس میں کمال پیدا کیا، انہیں اپنے والد کی کتاب "**تحفة الفقهاء**" پوری از بر یاد تھی، فقہ میں ان کی مہارت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے والد کے پاس کوئی استفتاء آتا تو اپنی صاحب زادی سے مشورہ کرتے تھے، پھر وہ جواب تیار کرتیں، اور اس پر باپ اور بیٹی دونوں کے دستخط ہوتے۔ فاطمہ کا نکاح ان کے والد نے اپنے عزیز شاگرد علاؤالدین ابوبکر بن مسعود کاسانی (م ۵۸۷ھ) سے کر دیا تھا، کاسانی کو ان کی تصنیف "**بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع**" کی وجہ سے علمی دنیا میں بہت شہرت حاصل تھی۔ فاطمہ کا علمی فیض نکاح کے بعد بھی جاری رہا، وہ اپنے گھر میں درس کے حلقے لگاتی تھیں، ان سے بڑی تعداد میں لوگوں نے استفادہ کیا۔ ان کے شوہر علامہ کاسانی بہت بڑے فقیہ تھے، ان کا لقب "**ملک العلماء**" تھا، لیکن ان کی بیوی

فاطمہ ان سے بھی بڑھ کر تھیں۔ فاطمہ حنفی مسلک کی بہت اچھی طرح ترجمانی کرتی تھیں، ان کے شوہر کاسانی کو بسا اوقات کوئی مسئلہ بیان کرتے ہوئے وہم ہو جاتا تو فاطمہ اس کی تصحیح کر دیتی تھیں، اور انہوں نے کیا غلطی کی ہے؟ یہ بھی بتا دیتی تھیں، چناں چہ علامہ کاسانی ان کی تصحیح کو قبول کرتے تھے۔ (الجواهر المضیئة ۴/ ۱۲۲۔ الدر المنثور فی طبقات ربات الخدور ۳۶۷۔ تاج التراجم ۲۵۲۔ اعلام النساء ۴/ ۹۴)

شیخ ابوالحجاج جمال الدین یوسف مزی (م ۷۴۲ھ) کی علم حدیث کے میدان میں خدمات سے اسلامی علوم وفنون سے دل چسپی رکھنے والا ہر طالب علم اچھی طرح واقف ہے، خاص طور سے فن اسماء الرجال میں انہیں ید طولی حاصل تھا، ان کی تصنیفیں "**تهذیب الکمال فی اسماء الرجال**" اور "**المنتقیٰ من الفوائد الحسان فی الحدیث**" اس کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں۔ شیخ مزی کو جتنی مہارت اور شہرت علم حدیث اور اسماء الرجال کے میدان میں حاصل تھی، اتنی ہی بلکہ اس سے کہیں زیادہ مہارت اور شہرت ان کی بیوی عائشہ بنت ابراہیم بن صدیق کو حاصل تھی، جو ام فاطمہ کے لقب سے مشہور تھیں، انہیں علم تجوید وقراءت میں بھی درک حاصل تھا، وہ بہترین قاریہ بھی تھیں؛ ۷۴۱ھ میں ۸۰ سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا۔ آدھی صدی سے زیادہ وقت انہوں نے قرآن کی تعلیم وتدریس میں گزارا اور ہزاروں مردوں اور عورتوں نے ان سے استفادہ کیا۔ ان سے تعلیم حاصل کرنے والوں میں ان کی صاحب زادی امۃ الرحیم زینب بھی تھیں، جو مشہور مفسر ومحدث اور مؤرخ علامہ ابن کثیر دمشقی کی بیوی تھیں؛ علامہ ابن کثیر جہاں شیخ مزی کے مشہور تلامذہ میں ہیں، وہیں انہوں نے اپنی خوش دامن صاحبہ سے بھی علمی استفادہ کیا تھا؛ ابن کثیر نے ان کا تذکرہ بڑے اچھے انداز میں کیا ہے، فرماتے ہیں: اپنے زمانے کی عورتوں میں کثرت عبادت، تلاوت قرآن، فصاحت وبلاغت اور صحیح ادا کے ساتھ قرآن پڑھانے کے معاملے میں کوئی دوسرا ان کا ہمسر نہیں تھا؛ انہوں نے بہت

سی عورتوں کا قرآن ختم کرایا اور بے شمار عورتوں نے ان سے قرآن پڑھا۔ ان کے بارے میں علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کا یہ جملہ باعث حیرت ہے: ''**یعجز کثیر من الرجال عن تجدیدہ**'' کہ ان کی طرح قرأت کرنے سے بہت سے مرد حضرات عاجز تھے۔ (البدایہ و النہایہ ۲۱/۸۱۳)

ام الدرداء صغری زبردست عالمہ اور حدیث وفقہ کی معلمہ تھیں۔ علامہ ابن کثیر نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ لوگ ان سے پڑھتے تھے اور جامع مسجد دمشق کی شمالی دیوار کے پاس ان سے فقہ حاصل کرتے تھے۔ عون بن عبداللہ فرماتے ہیں: ہم ان کے پاس آتے تو اللہ کا ذکر کرتے۔ ابن عساکر کہتے ہیں: یہ درویش صفت اور فصیح اللسان خاتون تھیں۔ علامہ نووی فرماتے ہیں: یہ فقیہہ اور دانشور تھیں۔ ابن عبدالبر لکھتے ہیں: یہ بڑی عاقلہ، فاضلہ اور صاحب الرائے تھیں، نہایت عابدہ اور زاہدہ بھی تھیں۔ (الاصابة۔ البدایة و النھایة۔ تاریخ دمشق)

فقیہ یوسف بن یحییٰ اندلسی کی بہن فاطمہ بنت یحیی اندلسیہ بڑی عالمہ فاضلہ اور پرہیز گار خاتون تھیں۔ فقیہہ بھی تھیں اور فقہ میں اپنے بھائی کی طرح شہرت رکھتی تھیں۔ ان کی مقبولیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ان کے جنازے میں بڑی تعداد میں لوگ شریک ہوئے، اس سے پہلے اس کی نظیر نہیں ملتی۔ (بغیة الملتمس ۵۳۱)

شیخ تقی الدین ابراہیم بن علی واسطی کی صاحب زادی امة الرحمن فقہ اور فتوی میں خاص ملکہ اور شہرت رکھتی تھیں۔ (ذیل العبر ۲۸۷)

ام زینب فاطمہ بنت عباس بغدادیہ شیخہ، عالمہ، زاہدہ، فقیہہ، قانتہ اور اپنے وقت کی خواتین کی سیدہ تھیں۔ (ذیل العبر ۸۰)

امام ضیاء الدین مقدسی کی بہن آسیہ اپنے زمانے کی بے مثل عابدہ، زاہدہ اور قرآن کی حافظہ تھیں؛ اسی طرح ان کی بیوی آسیہ بنت محمد بن خلف مقدسیہ قرآن کی

بہترین عالمہ اور علوم قرآنی کی مہارت میں خاص شہرت رکھتی تھیں، فن تجوید وقرأت سے بھی خاص شغف تھا۔ (حاشیہ الاکمال ۱/۹۲)

امام ابومحمد سراج الدین عبدالرحمن دانی (م ۲۴۳ھ) کی اولاد میں ایک نابینا صاحب زادی تھیں، جو اپنے زمانے میں قوت حافظہ میں عجوبہ شمار کی جاتی تھیں۔ "طبقات الحنابله" میں لکھا ہے کہ ابومحمد حران کی ایک لڑکی نابینا تھی، اس کے حافظے کا یہ حال تھا کہ صحاح ستہ کی کسی حدیث کے بارے میں پوچھا جاتا تو وہ فورا بتادیتی تھی، قوت حافظہ میں عجوبہ تھی۔

امام القراء ابن جزری نے اپنی صاحب زادی سلمی کے بارے میں لکھا ہے: اس نے قرأت سبعہ میں قرآن مجید حفظ کر کے سنایا تھا، اور قراءت عشرہ کی تعلیم بھی ان کے اصول کے مطابق حاصل کی تھی، وہ فن تجوید وقرأت میں اس قدر آ گے تھیں کہ اس زمانے میں کوئی قاری اور مجود ان کی ہمسری نہیں کرسکتا تھا؛ انہوں نے علم عروض اور عربی زبان وادب کی تعلیم بھی حاصل کی، نہایت عمدہ خط لکھتی تھیں اور فارسی اور عربی میں اشعار بھی کہتی تھیں۔ (غایة النهایة)

امام حسن بصری کی والدہ ماجدہ بڑی واعظہ اور مقررہ تھیں، وہ عورتوں کے مجمعوں اور جلسوں میں وعظ سنایا کرتی تھیں۔ اسامہ بن زید کا بیان ہے کہ میں نے حسن بصری کی والدہ کو عورتوں میں وعظ کہتے ہوئے دیکھا ہے۔ (طبقات ابن سعد ۸/۳۷۶)

معاذۃ بنت عبداللہ مشہور تابعی حضرت صلہ بن اشیم کی بیوی تھیں۔ بڑی عالمہ، فاضلہ، عابدہ، زاہدہ خاتون تھیں؛ عورتوں کے مجمعوں میں صدرنشیں ہوکر تقریریں کرتی تھیں اور وعظ سناتی تھیں۔ جعفر بن کیسان کا بیان ہے: میں نے معاذۃ کو دیکھا ہے کہ وہ بیٹھی ہوئی وعظ سناتی ہیں اور ان کے چاروں طرف عورتوں کا حلقہ ہے۔ (طبقات ابن سعد ۸/۴۸۳)

ام احمد زلیخا بنت الیاس خرقہ پوش، عالمہ، زاہدہ اور عابدہ خاتون تھیں؛ مقررہ اور واعظہ کے لقب سے مشہور تھیں، گھروں میں جا کر عورتوں کو وعظ سناتی تھیں۔ امام فاسی کا بیان ہے کہ وہ وعظ کہتی تھیں اور خرقہ پہن کر عورتوں کے حجروں میں جاتی تھیں۔ (العقد الثمین ۲۳۸/۸)

شیخہ، عالمہ، محدثہ، زاہدہ ام زینب فاطمہ بنت عباس بغدادیہ اپنے زمانے کی بڑی عالمہ خاتون تھیں؛ تذکرہ نگاروں نے ان کو شیخہ، عالمہ، فقیہہ، زاہدہ، قانتہ، اپنے زمانے کی عورتوں کی سیدہ اور واعظہ کے نام سے یاد کیا ہے؛ اور لکھا ہے کہ وہ علم وافر رکھتی تھیں۔ ان کی خدمات بہت ہیں، ان کے وعظ وتذکیر سے صرف بغداد کی خواتین ہی نہیں بلکہ دمشق اور مصر کی عورتوں نے بھی خوب فیض پایا؛ جس کی وجہ سے وہ ''سیدہ خواتین دوراں'' کے لقب سے مشہور ہوئیں۔ امام ذہبی نے ان کے حالات میں لکھا ہے کہ ان کی ذات سے عورتوں کی بڑی تعداد نے نفع اٹھایا اور گناہوں سے توبہ کی۔ وہ زبردست عالمہ، قانعہ اور تعلیم وتذکیر کے ذریعے نفع رسانی کی حریص تھیں؛ ان میں اخلاص اور خوف خدا بہت زیادہ تھا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بھی انجام دیتی تھیں، ان کے ذریعے ''دمشق'' اور ''مصر'' کی عورتوں کی بڑی اصلاح ہوئی، عوام وخواص کے دلوں میں ان کے لیے حد سے زیادہ احترام تھا اور وہ لوگوں میں مقبول تھیں۔ (العبر ۸۰)

فاطمہ بنت حسین رازیہ بڑی عالمہ تھیں، واعظہ کے لقب سے مشہور تھیں، ساتھ ہی عبادت گزار اور صوفیہ بھی تھیں؛ ان کے بارے میں علامہ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ ان کی خانقاہ تھی، جس میں عابدہ اور زاہدہ عورتیں جمع ہوتی تھیں۔ (المنتظم ۱۰/۷)

مکہ مکرمہ کی مشہور محدثہ خدیجہ بنت شیخ شہاب الدین نویری بڑی عالمہ ہونے کے ساتھ شاعرہ بھی تھیں، نہایت عمدہ اشعار کہتی تھیں، انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی منقبت میں بھی بہت سے اشعار اور نظمیں کہی ہیں۔ (العقد الثمین ۲۰۸/۸)

ام علی تقیہ بنت ابوالفرج غیث بن سلمی صوری بڑی عالمہ وفاضلہ خاتون تھیں، شاعرہ بھی تھیں، ان کے بہت عمدہ عمدہ اشعار اور قصیدے ہیں۔ ایک مرتبہ انہوں نے سلطان صلاح الدین ایوبی کے بھتیجے مظفر تقی الدین عمر کی مدح میں ''قصیدہ ضمیریہ'' کہا، جس میں شراب اور اس کے متعلقات کا ذکر تھا، جب امیر نے وہ قصیدہ پڑھا تو کہا: یہ محترمہ یہ باتیں بچپن سے جانتی ہیں۔ جب اس کی خبر ام علی کو ملی تو انہوں نے دوسرا ''قصیدہ حربیہ'' کہا، جس میں جنگ اور اس کے متعلقات کو نہایت سلیقے سے بیان کیا، اور اس قصیدے کے ساتھ یہ پیغام بھی امیر کو بھیجا: **''علمی بھذا لعلمی بھذا''** کہ جس طرح مجھے یہ معلوم ہے اسی طرح مجھے وہ بھی معلوم ہے۔ (وفیات الاعیان ۱۰۳/۱)

امۃ العزیز خدیجہ بنت یوسف بن غنمیہ عالمہ وفاضلہ تھیں، حدیث کی تعلیم ابن اللتی مکرم اور محدثین کی ایک جماعت سے حاصل کی، علم نحو میں خاص شہرت رکھتی تھیں اور نہایت خوش خط تھیں۔ (العبر فی خبر من غبر)

ام عبداللہ فاطمہ بنت سلیمان انصاری بڑی نیک صالح عالمہ تھیں، زندگی بھر شادی نہیں کی، علم دین کی خدمت کرتی رہیں، بہت زیادہ احادیث کی تعلیم دی اور حدیث کی کئی کتابوں کے درس میں منفرد تھیں۔ شیخ فتح الدین، شیخ ابن عضیجہ اور دوسرے محدثین کی طرف سے ان کو حدیث کی روایت کی اجازت حاصل تھی۔ ۹۰ سال کی عمر میں ۷۰۸ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ (العبر فی خبر من غبر، ذیل الذھبی)

سیدہ عائشہ بنت یوسف بن احمد بڑی عالمہ وفاضلہ خاتون تھیں۔ امام شہاب الدین قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ کی بیوی تھیں۔ صوفیہ، مرشدہ، فقیہہ اور لغت وشعر کی ماہرہ تھیں، صاحب دیوان شاعرہ تھیں، بہت سی کتابوں کی مصنفہ بھی ہیں، وہ اپنے وقت کی سب سے زیادہ لکھنے والی خاتون ہیں، تصوف میں بھی ان کی کئی ساری تصانیف ہیں۔ **''الفتح الحقی''** صوفیہ کے انداز میں تحریر کی، **''الملامح الشریفہ فی الآثار**

اللطیفه'' میں صوفیاء کے اشارات بیان کیے ہیں، اسی طرح ''**الاشارات الخفیه فی منازل العالیه**'' اور ''**المورد الاهنی فی المولد الأسنی**'' میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا بیان ہے، جو ''**مولد النبی الباعونه**'' کے نام سے مشہور و مطبوع ہے۔ **۹۲۲ھ** میں ان کا انتقال ہوا۔ (الاعلام للزرکلی)

عائشہ بنت احمد قرطبیہ اپنے زمانے کی بڑی عالمہ خاتون تھیں۔ ان کے دور میں ''اندلس'' میں عقل و فہم، علم و ادب، فصاحت و بلاغت اور شاعری میں ان کا کوئی ہمسر نہیں تھا؛ اندلس کے بادشاہوں اور سلاطین کی مدح میں قصیدے کہتی تھیں، خط و کتابت پاکیزہ اور نہایت حسین و جمیل تھا، مصاحف لکھتی تھیں، کتابیں خریدنے اور جمع کرنے کا شوق تھا، ان کے پاس بہت بڑا کتب خانہ بھی تھا، پوری زندگی علمی مشغلوں میں لگی رہیں، شادی بھی نہیں کی، ۴۰۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ (الاعلام للزرکلی)

عائشہ بنت محمد مقدسیہ (م ۸۱۶ھ) اپنے زمانے میں دمشق کی ''**سیدة المحدّثین**'' تھیں، امام حافظ حجار سے بخاری شریف پڑھی تھی، آخری عمر میں خدمت حدیث کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا، ان کی جلالت شان کے لیے یہی کافی ہے کہ حافظ ابن حجر نے ان سے حدیث کی روایت کی ہے اور کئی کتابیں پڑھی ہیں، تعلیم میں ان کا اسلوبِ تعلیم و تدریس نہایت آسان اور سہل تھا۔ بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ وہ اپنے زمانے میں تمام روئے زمین پر سب سے زیادہ مسندہ تھیں۔ (الاعلام للزرکلی)

ست العجم بنت نفیس بغدادیہ (م ۸۵۲ھ) مشہور صوفیہ عالمہ تھیں، بغداد سے نکل کر ''حلب'' میں مستقل قیام کر لیا تھا، ان کی شخصیت اور تصوف میں علو مرتبت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے شیخ اکبر ابن عربی کی کتاب ''**المشاهد القدسیه**'' کی شرح لکھی تھی۔ (الاعلام للزرکلی)

زمرد خاتون بنت امیر جادلی دمشق کے سلطان ''دقاق'' کی بہن اور تاج الملوک

کی بیوی تھیں، بڑی عالمہ فاضلہ اور بلند ہمت خاتون تھیں، حدیث کی روایت کی کتابوں کو اپنے ہاتھ سے نقل کیا اور قرآن مجید حفظ کیا، دمشق میں ''مدرسہ خاتونیہ برانیہ'' تعمیر کرایا، ۵۵۷ھ میں ان کا انتقال ہوا اور جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔ (الاعلام للزرکلی)

ست الوزراء بنت عمر تنوخیہ حنبلیہ (م ۷۱۶ھ) ''وزیرہ'' کے لقب سے مشہور فقیہہ اور محدثہ تھیں، صحیح بخاری کی روایت امام ابوعبداللہ زبیدی سے کر کے خود اس کی روایت کی، دمشق اور مصر میں ''مسند شافعی'' متعدد بار روایت کی۔ ان کی شہرت کا حال یہ تھا کہ دور دراز علاقوں سے طلبہ ان کی درس گاہ میں آ کر حدیث کی تعلیم حاصل کرتے تھے، وہ ''مسندۂ وقت'' تھیں۔ (الاعلام)

زینب بنت عبدالرحمن شعریہ اپنے زمانے کی مشہور فقیہہ ومحدثہ تھیں، بہت سے محدثین نے ان کو روایت کی اجازت دی تھی، نیشاپور میں ۶۱۵ھ میں ان کا انتقال ہوا، ان کے انتقال سے سند عالی کا سلسلہ بھی ختم ہوا تھا۔ (الاعلام للزرکلی)

حضرت مریم اندلسیہ کا شمار چوتھی صدی ہجری کی یگانۂ روزگار عالمات میں ہوتا ہے، جملہ دینی ودنیاوی علوم وفنون میں درجۂ تبحر رکھتی تھیں، انہوں نے ''اشبیلیہ'' میں ایک درس گاہ بھی قائم کی تھی، جس میں علم کا شوق رکھنے والی خواتین ان سے تعلیم حاصل کرتی تھیں۔ وہ نہ صرف ایک عالمہ تھیں بلکہ عابدہ زاہدہ اور احکام شریعت کی بڑی سختی سے پابندی کرنے والی تھیں، اسی لیے پورے ملک میں ان کا بے حد احترام کیا جاتا تھا، وہ شعروسخن کا بھی نہایت عمدہ ذوق رکھتی تھیں۔ علامہ مقری نے ''نفح الطیب'' میں ان کے متعدد اشعار نقل کیے ہیں، جن سے ان کا قادرالکلام شاعرہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔

شہزادی عباسہ جو خلیفہ مہدی عباسی کی بیٹی اور ہارون رشید کی بہن تھیں، اپنے وقت کی بڑی عالمہ خاتون تھیں، ان کی تعلیم وتربیت نہایت اعلیٰ پیمانے پر ہوئی اور مختلف علوم میں انہوں نے درجۂ تبحر حاصل کیا، کہا جاتا ہے کہ وہ قرآن کریم کی تفسیر اور شرح

ایسی عمدگی سے کرتی تھیں کہ بڑے بڑے علماء حیران رہ جاتے تھے،قرآن کی تلاوت بھی نہایت سوز اورخوش الحانی سے کرتی تھیں؛ایک روایت کے مطابق شعروشاعری میں بھی درک رکھتی تھیں۔حسن صورت، ذہانت، سلیقہ شعاری اور معاملہ فہمی ان کے خاص اوصاف تھے۔(کتاب الاغانی)

ام عیسی بنت ابراہیم بغدادیہ مفتیہ تھیں۔خطیب بغدادی نے لکھا ہے: ان کے بارے میں مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ وہ عالمہ فاضلہ تھیں اورفقہی مسائل میں فتوی دیتی تھیں،علامہ ابن الجوزی نے ام عیسی کے فتوی دینے کی تصریح تقریبا انہی الفاظ میں کی ہے۔(تاریخ بغداد ۱۴/۴۴۲۔المنتظم ۶/۳۱۵)

قرآنیات اورسیرت نگاری کے میدان میں بیسویں صدی کی ایک خاتون ڈاکٹر عائشہ عبدالرحمن بنت شاطی (۱۹۱۳ء۔۱۹۹۸ء) کا نام بہت نمایاں ہے،انہوں نے عربی زبان وادب کی اعلی تعلیم ''قاہرہ یونیورسٹی'' سے حاصل کی تھی، پھرمختلف ملکوں میں تدریسی خدمات انجام دیں، پھر ان کا رجحان قرآنیات کی طرف ہوا، وہ ''جامعۃ القرویین مراکش'' کے شعبۂ تفسیر میں پروفیسر رہیں،وہ پہلی خاتون ہیں جن کے ''جامع ازہر'' میں محاضرات ہوئے؛انہیں بہت سے اعزازات سے بھی نوازا گیا،جن میں ایک عالم اسلام کا اعلی اعزاز کا حامل ''شاہ فیصل ایوارڈ'' بھی ہے، جوانہیں ۱۹۹۴ء میں اسلامیات اور خاص طور پرقرآنیات کے میدان میں اعلی خدمات انجام دینے پر دیا گیا تھا۔ ان کی تصانیف کی تعداد درجنوں ہے،خاندان نبوت کی خواتین پران کی تیارکردہ سیریز میں ام النبی، نساء النبی، بنات النبی اور زینب بطلۃ کربلا شامل ہیں۔اس کے علاوہ قرآنیات پران کی تصانیف میں **التفسیر البياني للقران الکریم، الاعجاز البیاني للقران الکریم، القران و التفسیر العصري** اور **مقال فی الانسان** خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔(اسلامی علوم میں خواتین کی خدمات ۲۲)

مغرب اقصی میں فقہ وفتاوی میں تین مفتیہ وفقیہہ بہت مشہور گزری ہیں، (۱) ام ہانی عیوسیہ (۲) ان کی بہن فاطمہ (۳) شیخ زورق کی دادی ام البنین۔ اسی طرح علامہ ابن سعطی بعلبکی کی لڑکی فقیہہ تھیں، صاحب "**مجمع الانہر**" کی لڑکی بھی فقہ کی ماہر عالمہ تھیں، علامہ ابن تیمیہ کی جدۂ بزرگوار بڑی واعظہ تھیں، امام طحاوی کی لڑکی حدیث وفقہ کی ماہر فن تھیں، اور "تذکرۃ الرشید" میں لکھا ہے کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی صاحب زادی تصوف کے اعلی مراتب کی حامل تھی۔

یہ بطور مثال چند کا تذکرہ کیا گیا ہے، ورنہ تاریخ اسلام میں بے شمار ایسی خواتین ہیں جنہیں علم حدیث، علم تفسیر، علم فقہ وفتاوی، علم لغت ونحو، علم طب، کتابت، شاعری اور تصوف وغیرہ میں ممتاز ومنفرد مقام حاصل تھا۔

اکابر علماء کی خواتین اساتذہ

بہت سی عالمات، محدثات وفقیہات ایسی بھی ہیں، جن سے ائمۂ وقت اور اکابر علماء نے مختلف طریقوں سے استفادہ کیا ہے۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۷۴۸ھ) نے اپنی کتاب "**معجم شیوخ الذهبي**" میں اور حافظ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) نے اپنی کتاب "**المجمع المؤسس للمعجم المفهرس**" میں اپنی بہت سی معلمات اور شیخات کا تذکرہ کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے "**الدرر الكامنة في اعيان المأة الثامنة**" اور "**إنباء الغمر في أنباء العمر**" میں بھی بہت سی خواتین کا تذکرہ کیا ہے۔ ان کے شاگرد علامہ سخاوی (م ۹۰۲ھ) نے اپنی کتاب "**الضوء اللامع لاهل القرن التاسع**" کی ایک جلد خواتین کے لیے خاص کی ہے، اور انہوں نے ۱۰۷۰ خواتین کا تذکرہ کیا ہے، جن میں سے زیادہ تر محدثات وفقیہات ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی (م۹۱۱ھ) کے اساتذہ میں بہت سی محدثات وفقیہات بھی شامل ہیں، مثلا ام ہانی بنت ہوو ینی، ام فضل بنت محمد مقدسی، خدیجہ بنت ابوالحسن، نشوان بنت عبد اللہ کنانی، ہاجر بنت محمد مصریہ، امۃ الخالق بنت عبد اللطیف عقبی وغیرہ؛ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی معجم اور دیگر مؤلفات میں ان کا تذکرہ کیا ہے اوران کی روایات بیان کی ہیں۔

علامہ ابن حزم کی تعلیم وتربیت میں متعدد خواتین کا اہم کردار ہے، جنہوں نے انہیں قرآن کریم کی تعلیم دی، لکھنا پڑھنا سکھایا اوران میں شعری ذوق پیدا کیا؛ ابن حزم نے اس کا برملا اعتراف کیا ہے۔ خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ) نے طاہرہ بنت احمد بن یوسف تنوخیہ سے سماعت کی، جو بڑی محدثہ اور فقیہہ تھیں۔ جلیلہ بنت علی بن حسن شجری نے عراق اور شام کا سفر کیا تو علامہ سمعانی (م ۵۶۲ھ) اور دیگر بڑے بڑے علماء نے ان سے فیض اٹھایا۔ ابوعمرو مسلم بن ابراہیم لازدی فراہیدی نے ۷۰ خواتین سے روایت کی ہے۔ اسی طرح ابوالولید ہشام بن عبدالملک طیالسی (م ۲۲۷ھ) کے شیوخ میں بھی ۷۰ خواتین کے نام ملتے ہیں۔ حافظ ابن عساکر (م ۵۷۱ھ) نے ۸۰ سے زیادہ خواتین سے استفادہ کیا ہے، اوران سے احادیث کی روایت کی ہے۔ ابوعبداللہ محمد بن محمود بن نجار (م ۶۴۳ھ) کے اساتذہ اور شیوخ میں ۳۰۰۰ مرد اور ۴۰۰ خواتین شامل ہیں۔ امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور ذوالنون مصری نے سیدہ نفیسہ سے خوب علمی استفادہ کیا ہے۔ علامہ کاسانی کے اساتذہ میں ان کی بیوی فاطمہ سمرقندیہ بھی شامل ہیں۔ علامہ ابن کثیر نے اپنی خوش دامن (ساس) سے بھی علم حاصل کیا ہے۔

یہ بطور مثال چند کا تذکرہ ہے، ورنہ بہت سی ایسی خواتین عالمات ہیں، جن کے شاگردوں میں بڑے بڑے علمائے وقت شامل ہیں۔ جس کی کچھ جھلک پچھلے صفحات میں بھی موجود ہے۔

خواتین کا ایک اہم ترین اعزاز

علم حدیث کے میدان میں خواتین کے شرف اور فخر کے لیے یہ بات کافی ہے کہ جہاں احادیث کی روایت کرنے والے مردوں کی بڑی تعداد کو فن حدیث میں متہم کیا گیا ہے، ان پر جرح اور وضع حدیث وغیرہ کا الزام لگایا گیا ہے، اور ضعف کی وجہ سے ان کی روایات قبول نہیں کی گئی ہیں؛ وہیں ایک عورت بھی ایسی نہیں پائی جاتی جو ان عیبوں سے داغ دار ہو۔ امام الجرح والتعدیل علامہ شمس الدین ذہبی نے صاف الفاظ میں اس کی شہادت دی ہے، انہوں نے لکھا ہے: **وما علمت من النساء من اتهمت ولا من ترکوها** (میزان الاعتدال ۴؍ ۶۰۴) مجھے نہیں معلوم کہ روایت حدیث میں ایک بھی عورت متہم ہوئی ہو اور نہ محدثین نے ضعف کی وجہ سے کسی ایک عورت کو ترک کیا ہے۔

مسلم عالمات اور تصنیف وتالیف

خواتین اسلام نے اسلامی اور دیگر علوم کی نشر واشاعت میں درس وتدریس اور روایت کے ساتھ مستقل کتابیں بھی تصنیف فرمائی ہیں اور اسلامی کتب خانوں میں اپنی کتابوں کا اچھا خاصا ذخیرہ چھوڑا ہے، انہوں نے اپنی مرویات کو کتابی شکل میں مدون کیا، فن رجال میں کتابیں لکھیں، احادیث کی کتابوں کو نقل کیا، حتی کہ فن تصوف میں بھی کتابیں لکھی ہیں؛ ان میں سے بہت سی عالمات کتابوں کے ضبط ومقابلہ اور تصحیح وتزئین میں خاص ملکہ اور شہرت رکھتی تھیں۔

امام ذہبی نے عجیبہ بنت حافظ محمد بن ابوغالب بغدادیہ کے بارے میں لکھا ہے: انہوں نے اپنے اساتذہ اور شیوخ حدیث کے کمالات دس جلدوں میں لکھے تھے۔ نیز

امام ذہبی کہتے ہیں کہ شیوخ واساتذہ کے تذکرے میں ان کی ایک مستقل کتاب دس جلدوں میں ہے۔ (العبر ۵/۱۹۴) اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ عجیبہ بغدادیہ کے شیوخ کی تعداد کس قدر زیادہ تھی!

ام محمد فاطمہ خاتون بنت محمد اصفہانیہ کو تصنیف وتالیف میں بڑا اچھا ملکہ اور سلیقہ حاصل تھا، انہوں نے بہت سی عمدہ عمدہ کتابیں لکھیں، جن میں ''الرموز من الکنوز'' پانچ جلدوں میں تھی۔ امام تقی الدین فاسی نے تصریح کی ہے کہ وعظ گوئی میں ان کو خاص ملکہ حاصل تھا، انہوں نے اچھی اچھی کتابیں لکھیں، جیسے ان کی کتاب ''الرموز من الکنوز'' تقریباً پانچ جلدوں میں ہے۔ (العقد الثمین ۸/۲۰۲)

ام محمد بنت فاطمہ بنت نفیس الدین مکیہ نے حدیث اور دوسرے علوم میں بہت سی کتابیں لکھیں، فاسی کہتے ہیں کہ علم حدیث اور دوسرے علوم میں انہوں نے اپنے قلم سے بہت کچھ لکھا ہے۔ (العقد الثمین ۸/۲۷۳)

خدیجہ بنت محمد شاہجانیہ بغدادیہ نے اپنے استاذ حدیث ابن میمون کی جملہ مرویات احادیث کو ایک الگ کتاب میں جمع کیا تھا۔ (العبر ۳/۲۴۶)

ام محمد شہدہ بنت کمال الدین عمر کو بہت سی حدیثیں زبانی یاد تھیں، انہوں نے بہت سی احادیث کو کتابی شکل میں یکجا کیا تھا۔ (العبر ۴۹)

کریمہ بنت احمد مروزیہ نے بہت سی کتابیں لکھی، انہیں اپنی کتابوں کو ضبط ومقابلے کے ذریعے درست کرنے اور اپنے نسخوں کو مقابلہ کرکے تصحیح کرنے میں بھی بڑا اچھا سلیقہ حاصل تھا، وہ بڑی سمجھ بوجھ والی محدثہ تھیں۔ (العبر ۳/۲۵۴)

خدیجہ بنت شیخ شہاب الدین مکیہ اور ان کے معاصر علماء وفضلاء میں خط وکتابت کے ذریعے دینی معاملات اور علمی مسائل میں بحث وتحقیق جاری رہتی تھی، وہ اس سلسلے میں چھوٹے بڑے رسالے بھی لکھتی رہتی تھیں۔ (عنوان الدرایہ)

سیدہ عائشہ بنت یوسف نے بہت سی قیمتی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، وہ اپنے وقت کی سب سے زیادہ لکھنے والی خاتون ہیں، تصوف میں بھی ان کی کئی ساری تصانیف ہیں۔ **"الفتح الحقی"** صوفیہ کے انداز میں تحریر فرمائی، **"الملامح الشریفه فی الآثار اللطیفه"** میں صوفیاء کے اشارات بیان کیے ہیں، اسی طرح **"الاشارات الخفیه فی منازل العالیه"** اور **"المورد الاهنی فی المولد الأسنی"** میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا بیان ہے، جو **"مولد النبی الباعونه"** کے نام سے مشہور ومطبوع ہے۔ (الاعلام للزرکلی)

عائشہ بنت عمارہ بن یحییٰ افریقہ کے شہر ''بجایہ'' کی رہنے والی تھیں، ان کا خط کتابت نہایت پاکیزہ اور خوبصورت تھا، انہوں نے ایک کتاب اپنے ہاتھ سے نقل کی تھی جو ۱۸ جلدوں میں تھی۔ غبرینی کا بیان ہے کہ ان کا خط بہت عمدہ تھا، میں نے ''ثعلبی'' کی ایک کتاب ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی دیکھی ہے، جو اٹھارہ جلدوں میں ہے۔ (عنوان الدرایة في من عرف من علماء المائة السابعة فی بجایة ۴۷)

ست العجم بنت نفیس بغدادیہ (م ۸۵۲ھ) نے شیخ اکبر ''ابن عربی'' کی کتاب **"المشاهد القدسیه"** کی شرح لکھی تھی۔ (الاعلام للزرکلی)

بیسویں صدی کی ایک خاتون ڈاکٹر عائشہ عبد الرحمن بنت شاطی نے درجنوں کی تعداد میں کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، جن میں کئی قرآن کریم کی تفاسیر بھی ہیں۔

یہ بطور مثال چند کا تذکرہ کیا گیا ہے، ورنہ مسلم خواتین عالمات نے علم حدیث اور دیگر علوم وفنون میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ شیخ محمد خیر رمضان یوسف نے تذکرہ اور تراجم کی کتابوں میں غائرانہ نظر ڈالنے کے بعد اپنی کتاب **"المؤلفات من النساء ومؤلفاتهن في التاریخ الاسلامي"** میں ۱۴۰۰ھ تک ۳۶ مؤلفات کا تذکرہ کیا ہے، اور لکھا ہے کہ عربی زبان میں ان کی کتابوں کی تعداد ۱۰۰ کے قریب ہے۔ ان چند مثالوں

سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ عالمات وفاضلات نے تصنیف وتالیف اور کتابت وتحریر کے میدان میں بھی اپنے جوہر دکھائے ہیں اور اچھی خاصی یادگار چھوڑی ہے۔لیکن افسوس! کہ بعد کے زمانے میں ان کی تصانیف سے اعتناء نہیں کیا گیا، وہ حوادث زمانہ کی نظر ہوگئیں، جس کے نتیجے میں ان کی بہت سی کتابیں آج ہمارے سامنے موجود نہیں ہیں۔

مدارس البنات کی ابتدا اور ارتقاء

خواتین میں دینی تعلیم سیکھنے سکھانے کا سلسلہ دورِ نبوت اور دورِ صحابہ سے ہی چلا آرہا ہے، البتہ اس دور کا طریقۂ تعلیم مختلف تھا، مختلف طریقوں اور شکلوں سے خواتین تعلیم حاصل کرتی تھیں، انفرادی واجتماعی تعلیم کا زیادہ رواج تھا، دینی تعلیم کے لیے باضابطہ مدارس نہیں تھے، مدارس البنات کا باضابطہ آغاز بعد کے ادوار میں ہوا ہے۔ تاریخ پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ جدید طرز کے مدارس کا سب سے پہلا مدرسہ مغرب اقصی کے شہر ''فاس'' میں یکم رمضان ۲۴۵ھ مطابق ۸۵۹ء میں قائم ہوا۔ یہ مدرسہ مغرب کے شہر ''فاس'' کی فقیہہ ومفتیہ حضرت فاطمہ بنت محمد بن عبداللہ فہری نے قائم کیا تھا، اس کے لیے انہوں نے اپنے موروثی مال سے قبیلہ ''ہوارہ'' میں زمین خریدی، اپنی زمین سے پتھر نکلوایا اور وہاں مسجد بھی تعمیر کرائی، اور دینی تعلیم کے لیے مسجد کے اردگرد طلبہ کے لیے حجرے اور کمرے تعمیر کرائے، یہ ادارہ ''جامع قرویین'' کے نام سے مشہور ہوا، اور آج تک اس میں تعلیم کا سلسلہ جاری ہے، آج اس ادارے کا شمار مغرب کی قدیم ترین جامعات میں ہوتا ہے۔ ان کی بہن حضرت مریم بنت محمد بن عبداللہ فہری نے بھی اسی سال ۲۴۵ھ میں شہر فاس میں ''جامع الاندلس'' کی بنیاد رکھی، فاس کے سلطان ادریس بن ادریس نے اندلس کے مسلمانوں کی ایک جماعت کو مشرقی فاس میں آباد کیا تھا، اس

علاقہ میں مریم بنت محمد نے مسجد تعمیر کرا کے اس کا نام ''جامع الاندلس'' رکھا، اور اس کے اطراف میں طالبان علوم نبوت کے لیے حجرے اور کمرے تعمیر کرائے۔ مغرب اقصی میں ان دو بہنوں نے جوامع بنا کر اور ان کے ارد گرد تعلیم کے لیے حجرے اور کمرے تعمیر کرا کے موجودہ دور کے مدارس کا تصور پیش کیا، پھر اس طرح کے ادارے دنیا کے دیگر مقامات پر بھی قائم ہونا شروع ہوئے۔

موجودہ طرز کے مدارس کے بارے میں علامہ مقریزی فرماتے ہیں: إنَّ الْمَدَارِسَ مِمَّا حَدَثَ فِيْ الْإِسْلاَمِ وَلَمْ تَكُنْ تُعْرَفُ فِيْ زَمَنِ الصَّحَابَةِ وَلاَ التَّابِعِيْنَ وَإِنَّمَا حَدَثَ عَمَلُهَا بَعْدَ الْأَرْبَعِ مِائَةِ مِنْ سَنِ الْهِجْرَةِ وَأَوَّلُ مَنْ حَفِظَ عَنْهُ أَنَّهُ بَنٰى فِيْ الْإِسْلاَمِ أَهْلُ نَيْسَابُوْر فَبُنِيَتِ الْمَدْرَسَةُ الْبَيْهَقِيَّةُ (کتاب الخطط والآثار: ۲/۳۶۲) اسلام میں مدارس بعد میں بنائے گئے ہیں، صحابہ اور تابعین کے زمانے میں ان کا پتہ نہیں چلتا ہے، ان کی تعمیر چوتھی صدی ہجری کے بعد ہوئی ہے اور اہل نیساپور نے سب سے پہلے مدرسہ بنایا اور مدرسہ بیہقیہ کی تعمیر کی گئی۔

قاضی اطہر مبارک پوریؒ اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ہمارے نزدیک چوتھی صدی کے بعد نہیں، بلکہ چوتھی صدی کے اندر نیساپور کے شافعی فقہاء وعلماء نے مدرسوں کو تعمیر کیا ہے، عام طور سے مشہور ہے کہ وزیر نظام الملک طوسی متوفی ۴۸۵ھ نے مدارس کی بنیاد ڈالی، حالاں کہ امام تاج الدین سبکی کی تصریح کے مطابق وزیر موصوف کی ولادت سے پہلے کئی مدارس تعمیر ہو چکے تھے، صرف نیساپور میں چار مدرسے جاری ہو چکے تھے، پہلا مدرسہ بیہقیہ، دوسرا مدرسہ سعدیہ، جس کو امیر نصر بن سبکتگین سلطان محمود غزنوی کے بھائی نے نیساپور کی امارت کے دور میں تعمیر کیا تھا، تیسرا مدرسہ جس کو نیساپور میں ابوسعد اسماعیل بن علی بن مثنی استرآبادی متوفی ۴۴۰ھ نے قائم کیا تھا، چوتھا مدرسہ نیساپور میں استاذ ابواسحاق اسفرائنی کے لیے بنایا گیا؛ بقول حاکم مدرسہ ابواسحاق سے

پہلے نیساپور میں ایسا شاندار مدرسہ تعمیر نہیں ہوا تھا، اس کے بعد امام سبکیؒ نے لکھا ہے کہ میں نے غور وفکر کیا تو ظن غالب ہوا کہ سب سے پہلے نظام الملک نے طلبہ کے لیے معالیم اور وظائف مقرر کیے ہیں۔ (طبقات الشافعیہ الکبریٰ: ۴/ ۳۱۴۔ خیر القرون کی درسگاہیں: ۱۸-۱۹)

اس کے علاوہ چوتھی، پانچویں، چھٹی صدی اور بعد کی صدیوں میں بے شمار مدارس و مکاتب جگہ جگہ قائم ہوئے؛ زمرد خاتون (م ۵۵۷ھ) جو دمشق کے حکمراں ملک دقاق کی بہن تھیں، انہوں نے ایک مدرسہ قائم کیا تھا، جو "المدرسة الخاتونية البرانية" کے نام سے مشہور تھا۔ (الاعلام ۳/ ۴۹)

عائشہ ہانم نامی خاتون نے ۱۱۵۴ھ میں ایک مسافر خانہ تعمیر کرایا تھا، جس کو "سبیل عائشہ ہانم" کہا جاتا تھا، اس کے اوپر انہوں نے قرآن کی تعلیم کے لیے ایک مکتب قائم کیا تھا، جس کے لیے انہوں نے بہت سی جائیداد وقف کی تھی اور اپنے وارثین کو اس کا متولی بنادیا تھا۔ (اعلام النساء ۳/ ۱۹۴)

یمن کے سلطان ملک مظفر کی بیوی مریم بنت شمس (م ۷۱۳ھ) نے "زبید" میں "المدرسة السابقية" قائم کیا تھا، اس میں یتیم غریب بچوں اور دیگر طالب علموں کو داخل کیا۔ اس میں امام، مؤذن اور معلم کو رکھا اور ان کے مصارف کے لیے وقف کا معقول نظم کیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے دیگر شہروں میں بھی کئی مدرسے قائم کیے اور ان کے لیے بڑی جائیدادیں وقف کیں۔ (اعلام النساء ۵/ ۴۰)

سیدہ ملکہ بنت ابراہیم بعلبکیہ (م ۷۴۹ھ) نے خواتین کی تعلیم کے لیے مخصوص ایک رباط قائم کیا تھا، جس میں قرآن مجید کے حفظ اور حدیث نبوی کی تعلیم کا نظم تھا۔ (اعلام النساء ۵/ ۱۰۲)

فاطمہ غالیمہ بنت محمد "اندلس" کی مشہور عالمہ تھیں، عورتوں کو ہر قسم کی تعلیم دیتی تھیں، معلمہ کے لقب سے مشہور تھیں؛ اندلس ہی کی ایک دوسری عالمہ مریم بنت ابو یعقوب شالبیہ

تھیں، ان کے تذکرے میں لکھا ہے کہ وہ عورتوں کو علم وادب کی تعلیم دیتی تھیں، دینداری اور بزرگی میں بلند مقام رکھتی تھی؛ ان دونوں عالمات فاضلات کے باقاعدہ نسوانی مدرسے تھے، جن میں وہ مستقل طور پر عورتوں کو تعلیم دیتی تھیں۔ (بغیة الملتمس ۵۲۸۔ ۵۳۱)

مریم اندلسیہ جو چوتھی صدی ہجری کی یگانۂ روزگار عالمات میں سے ہیں، اندلس کے شہر ''شلب'' کی رہنے والی تھیں، مگر وہاں کی سکونت ترک کرکے ''اشبیلیہ'' میں مستقل اقامت کرلی تھی، انہوں نے اشبیلیہ میں خواتین کے لیے ایک درس گاہ قائم کی تھی، جس میں علم کا شوق رکھنے والی خواتین دور دراز سے آکر ان سے تعلیم حاصل کرتی تھیں، اشبیلیہ کے بڑے اور اونچے خاندانوں کی لڑکیاں ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے میں فخر محسوس کرتی تھیں، وہ تمام طالبات کو بڑی محنت اور توجہ کے ساتھ دینی علوم کے علاوہ معانی، بیان، بدیع اور شعروادب کی تعلیم بھی دیتی تھیں؛ چناں چہ لکھا ہے کہ جو طالبات ان کی درس گاہ سے عالمہ فاضلہ بن کر نکلتی تھیں اکثر اعلی اور معزز خاندانوں میں ان کے رشتے ہوجاتے تھے۔ (کتاب الاغانی)

تاہم شروع کے ادوار میں مسلم خواتین کی دینی تعلیم وتربیت اور ان کو اسلامی علوم وفنون سے آراستہ کرنے کے لیے کسی علیحدہ مستقل تعلیمی ادارے کا پتہ نہیں چلتا ہے، لیکن ان ادوار میں اعلی دینی تعلیم یافتہ خواتین کی موجودگی تعلیم کے منظم نظم ونسق کی گواہ ہے، غالباً پردہ کی وجہ سے مکمل حالات منظر عام پر نہ آسکے ہوں یا مؤرخین نے ان کا تذکرہ قابل اعتناء نہ سمجھا ہو۔ البتہ بعد کے ادوار میں نسوانی مدرسوں کا تذکرہ ملتا ہے، جیسا کہ ذکر کیا گیا، اور یہیں سے لڑکیوں کے مدرسوں کی ابتداء اور ارتقاء ہوئی۔

برصغیر میں مدارس البنات

ہندوستان میں باقاعدہ مسلم حکومت کا آغاز محمود غزنوی ۹۹۷ء تا ۱۰۳۰ء سے ہوتا

ہے، یہ بڑا علم دوست بادشاہ تھا، اس کے دربار میں علماء، فضلاء، ادباء، حکماء اور شعراء کا ہجوم رہتا تھا؛ محمود غزنوی نے اپنے زمانے میں بہت سی مسجدیں اور مدرسے قائم کرائے، گویا برصغیر میں مدارس دینیہ کے قیام کا آغاز محمود غزنوی اور ان کے امراء کے توسط سے ہوا ہے۔ پھر ان کے بعد ان کے بیٹے شہاب الدین مسعود نے بڑے پیمانے پر مسجدیں اور مدرسے تعمیر کرائے۔ اس کے بعد مسلم حکومت کے ہر دور میں مختلف علاقوں میں مدرسے قائم ہوتے رہے، حتیٰ کہ علامہ مقریزی نے اپنی مشہور تصنیف ''**کتاب الخطط**'' میں لکھا ہے کہ چودہویں صدی عیسوی میں محمد تغلق کے دور میں صرف ''دہلی'' شہر میں ایک ہزار مدرسے تھے۔ لیکن محمود غزنوی سے لے کر مغلیہ سلطنت کے خاتمے تک اس پورے دور میں باضابطہ نسوانی مدرسوں کا تذکرہ نہیں ملتا ہے، البتہ اس پورے دور میں مسلم خواتین کی تعلیم وتربیت پر خوب توجہ دی گئی ہے، جس کے مختلف طریقے رائج تھے، مثلاً: سلاطین، امراء، وزراء اور علماء اپنے گھروں کی خواتین کی تعلیم کے لیے اندرون خانہ نظم کرتے تھے، تعلیم یافتہ مائیں خود اپنی لڑکیوں کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ دیتی تھیں، محلے کی چند لڑکیاں جمع ہوکر کسی استانی کے پاس قرآن اور دیگر علوم کی تعلیم حاصل کرتی تھیں، غریب گھروں کی بچیاں کسی تعلیم یافتہ خاتون کی خدمت میں رہ کر ان کا کام وغیرہ بھی کرتیں اور تعلیم وتربیت بھی حاصل کرتی تھیں۔ الغرض انفرادی واجتماعی تعلیم کا نظم تھا، بلکہ منزلی تعلیم کا نظم بڑے پیمانے پر تھا۔

پھر جب برصغیر میں برطانوی سامراج شروع ہوا اور برطانوی حکومت نے جہاں مسلمانوں کے سیاسی، معاشی اور سماجی حالات پر اثر ڈالا، وہیں مسلمانوں کی تعلیم بھی بے انتہاء متأثر ہوئی؛ انگریزوں نے اپنی آمد کے ساتھ ہی مسلمانوں کے دینی تعلیمی اداروں کو ختم کرنا شروع کردیا تھا اور ایک نیا نظام تعلیم قائم کردیا تھا، جس کے ذریعہ وہ ہندوستانیوں کے ذہنوں پر قبضہ کرنا چاہتے تھے، اور یہاں سے اسلامی علوم وفنون اور

روایات کومٹانا چاہتے تھے، وہ اپنے اس مقصد میں بہت حد تک کامیاب ہوتے جارہے تھے۔ یہ صورتِ حال مسلمانوں کے لیے بڑی پریشان کن تھی، اس صورت حال نے مسلم علماء ومفکرین میں بے چینی پیدا کی، اور وہ مسلمانوں کی تعلیمی حالت سدھارنے کے لیے کمر بستہ ہوئے؛ علماء نے اس بحران اور خطرے کے سدِ باب کے لیے یہی مناسب سمجھا کہ مسلمانوں کی دینی تعلیم پر زیادہ توجہ دی جائے، جس کے ذریعہ عیسائی تحریک کی ریشہ دوانیوں اور منصوبوں کا مقابلہ کیا جا سکے؛ اس مقصد کے تحت دینی مدارس از سرنو وجود میں آنا شروع ہوئے اور بہت کم مدت میں دینی تعلیمی ادارے بستی بستی وکوچہ در کوچہ قائم ہوتے چلے گئے۔ مسلمانوں کی اس زبوں حالی اور تعلمی بحران کا اثر خواتین کی تعلیم پر کچھ زیادہ ہی پڑا، حتی کہ خواتین کی منزلی تعلیم کا دروازہ بھی بند ہوگیا تھا؛ لہٰذا اس بات کی ضرورت بھی شدت سے محسوس کی جانے لگی کہ خواتین کی دینی تعلیم کا بھی مناسب نظم کیا جائے، تاکہ ان کی جہالت سے جو نسل دین سے دور اور اخلاقی تمدنی گراوٹ کا شکار ہورہی ہے اس کا سدِ باب ہوسکے؛ ان کی دینی تعلیم کا ایسا مناسب حل نکالا جائے کہ جو گھرانے اپنی جہالت کے سبب اپنی عورتوں کو خود دینی تعلیم نہیں دے سکتے ان کی بچیاں بھی علم دین کی روشنی سے محروم نہ رہیں۔

دینی تعلیم کی ضرورت واہمیت تو تمام مسلمان ہی محسوس کررہے تھے، البتہ ایک طبقہ جدید تعلیم وتہذیب سے متأثر تھا اور خواتین کے لیے بھی اعلی دنیوی تعلیم کا خواہاں تھا، ایسے تعلیمی انحطاط اور پس ماندہ حالات میں خواتین کی اعلی دنیوی تعلیم کے لیے علیحدہ نظم تو درکنار ابتدائی ادارے قائم کرنا بھی بڑا مشکل تھا، جس کے نتیجے میں مخلوط تعلیم کا طریقہ رواج پا گیا، جس کے مفید اثرات تو دور کی بات مضر اثرات زیادہ ظاہر ہوئے، آج بھی اس کے مظاہرے ہر طرف دیکھنے کو مل رہے ہیں۔ اس صورت حال نے خواتین کی تعلیم میں مزید مشکلات پیدا کردیں، مخلوط نظام تعلیم نے مسلم خواتین کو بے حیائی کے دروازوں

پر لا کھڑا کر دیا، ان کے طور وطریقوں میں بگاڑ اور دین وشریعت سے بیزاری کے اسباب مہیا کر دیے، پردے کی آہنی دیوار کی شکستگی نے ان کی شرم وحیا اور نسوانیت کے وقار کو مجروح کر کے رکھ دیا۔ علامہ اقبالؒ نے اسی کا یوں رونا رویا ہے:

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی	ڈھونڈ لی قوم نے فلاح کی راہ
رَوِش مغربی ہے مدِ نظر	وضع مشرقی کو جانتے ہیں گناہ
یہ ڈراما دکھائے گا کیا سین؟	پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

اور واقعی پردہ اٹھنے کے بعد اس ڈرامے کا جو سین نظر آیا وہ دیندار اور خوفِ خدا رکھنے والے مسلمانوں کو متفکر کرنے کے لیے کافی تھا، اسی بنا پر بہت سے دیندار گھر اور خاندانوں کی خواتین اس نظام تعلیم سے نالاں ہو کر اور تعلیم کا مناسب نظم نہ ہونے کی وجہ سے ناخواندہ ہی رہ گئیں۔

ان حالات میں متفکرین علماء کی مساعی سے برصغیر میں آزادی سے بہت قبل مسلم لڑکیوں کے لیے ایسے تعلیمی اداروں کا قیام عمل میں آنا شروع ہوا، جس میں مکمل پردے اور حفاظت کے ساتھ اعلی دینی تعلیم اور بقدر ضرورت عصری تعلیم کا نظم تھا؛ تاکہ مسلم لڑکیاں خود بھی زیور تعلیم سے آراستہ ہوں اور اپنی آنے والی نسلوں میں بھی دینی تعلیم وتربیت اور دینی مزاج منتقل کر کے معاشرہ، خاندان اور نسلوں کی زندگیاں سنوار سکیں؛ الحادودہریت اور باطل کے تھپیڑوں کا مقابلہ کر سکیں۔ انیسویں اور بیسویں صدی میں اس طرح کے بہت سے مدرسے قائم ہوئے۔

آزادی کے بعد اس قسم کے دینی اداروں کے قیام میں مزید تیزی اور وسعت پیدا ہوئی اور حالیہ چند دہائیوں میں برصغیر پاک وہند میں مدارس البنات اتنی کثیر تعداد میں پھیل چکے ہیں کہ جن کا شمار بھی دشوار ہے، جہاں سے بڑی تعداد میں اسلامی علوم وفنون کی ماہر عالمات وفاضلات تیار ہو رہی ہیں۔

مدارس البنات کی ضرورت واہمیت

دینی تعلیم وتعلم کے لیے آج دنیا کے چپہ چپہ پر خواہ مسلم ممالک ہوں یا غیر مسلم، بے شمار دینی مدارس ومکاتب قائم ہیں اور مسلسل ان کی تعداد میں ہر روز اضافہ ہوتا جارہا ہے؛ یہ وقت کے علماء اور دانشور حضرات کے علم وفہم اور دور اندیشی کا کامیابی کی طرف بڑا قدم ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ معاشرے کے نصف حصہ کو نظر انداز کر کے انسانیت کی مکمل فلاح وبہبود کا تصور کرنا ایک طرح کی نادانی ہے، انسانیت کی بہترین تعمیر وترقی کی معمار عورت بھی ہے؛ جو بہن، بیٹی اور بیوی کے مدارج طے کرتی ہوئی اپنے نقطۂ عروج ''ماں'' کے مقدس مقام اور عظیم مرتبہ تک پہنچتی ہے؛ جس کے آغوش وتربیت سے اسلامی افکار اور صالح کردار کے حامل افراد وجود میں آتے ہیں۔

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ نسلِ انسانی کی پہلی تربیت گاہ ماں کی آغوش ہے، ماں کے ایک قطرہ دودھ کے ساتھ بچہ جذبات وحسیات اور اخلاق بھی اپنے اندر جذب کرتا ہے اور اس کی ایک ایک ادا سے عمل کے طریقے سیکھتا ہے؛ ماں اگر تعلیم یافتہ اور دینی مزاج کی حامل ہوتی ہے تو غیر محسوس طریقے سے دینی مزاج بچہ کے اندر بھی اتر تا جاتا ہے، اور اس طرح پھر دین نسلوں میں منتقل ہوتا ہے۔ ایک دینی تعلیم یافتہ خاتون کی آغوش تربیت سے جو نسل وجود میں آتی ہے وہ معاشرے کے لیے نہایت کارآمد ہوتی ہے اور نسلوں کی آبادی کا سبب بنتی ہے، یعنی ایک عورت پورے خاندان کی اصلاح کا ذریعہ بن جاتی ہے، مشاہدہ ہے کہ عورت اگر دیندار اور تعلیم یافتہ ہے تو علم اور دین نسلوں تک سفر کرتا ہے۔ لہذا نئی نسل کو سنوارنے اور ان کو قرآنی تعلیمات سے روشناس کرانے، گھروں کا ماحول دینی بنانے اور بہترین اسلامی زندگی بسر کرنے کے لیے خواتین کا تعلیم

یافتہ، دین دار اور اخلاق فاضلہ سے آراستہ ہونا ضروری ہے؛ تاکہ وہ اپنی ذمہ داریاں بخوبی نبھا سکیں۔ اس کے برعکس اگر ماں غیر تعلیم یافتہ، غیر اسلامی رنگ وڈھنگ کی مالک اور بے دین ہے، تو پرورش پانے والی نسلیں بھی اکثر بے دین ہی اٹھتی ہیں، ان کی ذہنی واخلاقی حالت انتہائی مسموم ہوجاتی ہے، اس طرح پھر بے دینی نسلوں تک چلی جاتی ہے اور ان کی تباہی کا سبب بنتی ہے؛ یعنی عورت سے اگر علم اور دین چھین لیا جائے تو بے دینی اور جہالت نسلوں میں سفر کرتی ہے۔ گویا کوئی بھی ماں اپنے بچے کے منھ میں صرف دودھ ہی نہیں ڈالتی بلکہ اس کے ساتھ اپنے اخلاق وکردار کی روح بھی اس کے رگ وریشہ میں اتارتی ہے۔ مرد (باپ) کی خرابی کے اثرات بھی مہلک ہیں، مگر ان کی خرابی سے ممکن ہے کہ بچنے کی شکلیں پیدا ہوجائیں؛ لیکن عورت (ماں) کے بگاڑ کے خراب نتائج سے بچنا بہت مشکل ہے، اس لیے کہ اس کی پیدا کی ہوئی خرابی جڑ کی خرابی ہے، شاخوں اور تنے کی خرابی نہیں ہے، اور جو درخت اپنی نشوونما کے ابتدائی مراحل میں ہی آفت رسیدہ ہوجائے تو پھر اس کا تناور درخت بننا انتہائی مشکل ہوجاتا ہے؛ اس لیے ایک عورت کی ذمہ داریاں بہت اہم ہیں۔ عورت کے اس مقام کے مدنظر اسلام نے مرد کے ساتھ عورت کے لیے بھی حصول علم کو ضروری قرار دیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: **طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَمُسْلِمَةٍ** (المعجم الكبير للطبراني:١٠٤٣٩) علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے۔ لہٰذا اگر خواتین کی تعلیم وتربیت کا بندوبست نہیں کیا جاتا ہے تو گویا ان کی بنیادی ومعاشرتی ضرورت سے چشم پوشی کی جاتی ہے۔ یہ بات محتاج بیان نہیں ہے کہ عورتوں کی اعلی دینی تعلیم کتنی ضروری، اہم اور فائدہ مند ہے! دینی نقطۂ نظر سے اس کا اندازہ لگایا جائے یا سماجی نقطۂ نظر سے، اس کی اہمیت وضرورت اپنی جگہ مسلم ہے۔

اسلامی عقائد، توحید ورسالت، آخرت، عبادات، نماز، روزہ، حج، زکوۃ وغیرہ کی

تفصیل اوران کے احکام ومسائل، دینی مبادیات، وہ احکام ومسائل جن کا تعلق خواتین سے ہے، مثلاً: حیض ونفاس وغیرہ کے مسائل، اسلامی نظام ازدواج، نکاح، طلاق، خلع، ایلاء، لعان اور مہر وغیرہ کے احکام ومسائل، نظام وراثت کا صحیح فہم، اصول معاشیات، کسب معاش میں حلال وحرام کا فرق اوران سب باتوں کے صحیح علم وفہم کی تعلیم عورتوں کے لیے ضروری ہے؛ اسی طرح بچوں کی ولادت، رضاعت اوران کی تعلیم وتربیت کے مختلف مسائل کی تعلیم بھی ازحد ضروری ہے۔ اس کے لیے علیحدہ مستقل اسلامی درس گاہوں کی ضرورت ہے، کیوں کہ انفرادی واجتماعی طریقۂ تعلیم کا دوراب ختم ہو چکا ہے۔ آج کل مدارس البنات کا وجود مذکورہ مقاصد کے پیش نظر ہی ہے، تاکہ لڑکیاں ایک محفوظ اوراسلامی ماحول میں تعلیم وتربیت حاصل کرسکیں؛ مدارس البنات اپنے اس عظیم مقصد میں کامیاب ہیں، یہ ان مدرسوں کی تعلیم کا ہی نتیجہ ہے کہ خواتین میں دینی تعلیم کے ساتھ عربی زبان سمجھنے، پڑھنے، لکھنے اور بولنے کی استعداد بھی خوب پیدا ہوجاتی ہے۔

سماجی نقطۂ نظر سے اگر دیکھا جائے تو مدارس البنات کی ضرورت واہمیت روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ مثلاً:

(۱) تحریک خواندگی پر حکومتیں ہر سال لاکھوں کروڑوں روپیہ خرچ کرتی ہیں، لیکن زیادہ تر مدارس البنات حکومتوں کی اعانت کے بغیر خود اپنی کفالت پر چلتے ہیں۔ اس کے باوجود صالح معاشرہ اوراعلی اخلاق وکردار کی تشکیل میں اہم کردار ادا کررہے ہیں اور اپنے مقصد میں کامیاب ہیں۔

(۲) مدارس البنات خواتین میں دینی وسماجی شعور پیدا کرتے ہیں، دینی وانسانی حقوق وفرائض کی تعلیم اور انہیں اپنی زندگی میں نافذ کرنے کی تلقین کرتے ہیں، ان مدارس میں لڑکیوں کو اعلی تہذیب وتمدن اوراقدار عالیہ کا امین بنانے کی بھرپور کوشش کی جاتی ہے؛ قرآن وحدیث، سیرت محمدی، سیرت صحابہ وصحابیات اور اسلامی تاریخ کے

حوالوں سے طالبات کو بتایا جاتا ہے کہ ملک اور سماج میں باعزت زندگی گذارنے کے لیے کن عادات واطوار کی ضرورت ہے، اسی طرح مسلم اور غیر مسلم کے تئیں رویہ، سلوک اور اخلاق وکردار کن خوبیوں کا مالک ہونا چاہیے۔

(۳) مدارس البنات میں طالبات کو یہ بھی ذہن نشین کرایا جاتا ہے کہ معاشرے کی تعمیر وترقی میں ایک عورت کا بحیثیت ماں اور بیوی کیا کردار ہے۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ اگر یہ مدارس نہ ہوتے تو ملت کی رہنمائی اور اصلاح معاشرہ کے تئیں خواتین کا کیا کردار ہوتا؟ اور جن خواتین کا تعلق اسلامی درس گاہوں سے نہیں ہے ان کا اصلاح معاشرہ میں کیا کردار ہے؟ وہ کس طرح غیر اسلامی تعلیم اور بے دینی کی بنیاد پر معاشرے کو اخلاقی زوال اور بے دینی کی طرف لے جارہی ہیں!

(۴) اخلاق ومعاملات کے اثرات معاشرے پر بہت جلد مرتب ہوتے ہیں۔ جھوٹ، چوری، لالچ، حرص وہوس، ایک دوسرے پر ظلم وزیادتی، قتل وغارت گری، الزام تراشی اور ناجائز طور طریقوں سے کسب معاش وغیرہ چیزیں ایک صحت مند معاشرے کے لیے انتہائی ناسور ہیں؛ ایک دین دار اور مؤمنہ عورت اپنے گھر کے مردوں کو دینی تعلیم کی روشنی میں ان فاسد امور سے باز رکھ سکتی ہے۔ مدارس البنات میں کردار سازی پر خاصی توجہ دی جاتی ہے۔

(۵) کردار سازی مدارس البنات اور دینی تعلیم کا اہم حصہ ہے، جس کے نتائج سامنے ہیں۔ بے شمار واقعات ہیں کہ نیک وصالح اور با کردار عورتوں نے اپنے شوہروں اور اولاد وغیرہ پر ایسا اثر ڈالا کہ ان کی زندگیاں ہی بدل گئیں۔ تاریخ اسلام میں جتنی بھی بڑی شخصیات ہوئی ہیں، اگر دیکھا جائے تو ان کے پیچھے ضرور ان کی والدہ ماجدہ کی دینی تعلیم وتربیت کا رنگ چھلکتا نظر آتا ہے۔ اسی لیے مدارس البنات میں کردار سازی پر خاص توجہ دی جاتی ہے۔

(۶) جدید دور میں تعلیم کے طریقے بدل چکے ہیں، اور تعلیم زندگی کے ہر شعبے میں لازم ہوتی جارہی ہے؛ ایسے میں لڑکیوں کی تعلیم کے لیے علیحدہ مستقل مدرسے ایک بہترین صورت ہیں، اس سے بہتر کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

الحاصل: دین اسلام کی بنیادی چیزوں کی تعلیم، مسلمان ہونے کا مطلب، روزمرہ کی زندگی میں پیش آنے والے مسائل کا حل ان مدارس کی تعلیم میں پایا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں پرسکون معاشرے کی مطلوبہ تعلیمات، سچائی، صبر وقناعت، غیرت وخودداری، رشتوں ناطوں کا پاس ولحاظ، ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی، معاملات کی صفائی اور اعلی اخلاق وکردار وغیرہ ان مدارس کی تعلیم وتربیت کا نتیجہ ہیں۔ مذکورہ دینی وسماجی نقطہائے نظر کو سامنے رکھ کر عصر حاضر میں مدارس البنات کی ضرورت واہمیت بہت بڑھ جاتی ہے۔

مدرسۃ البنات قائم کرنا کیسا ہے؟

گذشتہ صفحات سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ ہر دور میں دینی علوم وفنون کی ماہر بڑی بڑی عالمات، محدثات، مفسرات، فاضلات، مفتیات اور فقیہات موجود تھیں؛ امہات المؤمنین اور بنات صحابہ تعلیمی میدانوں میں بہت آگے تھیں، تعلیم نسواں کا سلسلہ انہی سے جاکر جڑتا ہے؛ تعلیماتِ نبویؐ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح مردوں کے لیے علم حاصل کرنا ضروری ہے اسی طرح عورتوں کے لیے بھی ضروری ہے، ارشاد نبوی ہے: علم کا سیکھنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے۔ (المعجم الکبیر للطبراني: ۱۰۴۳۹) اسلام کی نظر میں دینی تعلیم مرد اور عورت دونوں کے لیے یکساں طور پر مطلوب ہے، نیز قرآن کریم نے علم کو انسانوں کے لیے بطور انعام الٰہی بیان فرمایا ہے اور اس میں کہیں بھی مردوں کی کوئی تخصیص نہیں ہے، نیز مستند احادیث میں عورتوں اور اپنے اہل وعیال کو تعلیم دینے کا

حکم دیا گیا ہے۔ بخاری شریف کتاب العلم میں ہے: **قَالَ مَالِک بنُ الحُوَیرِث قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ ارْجِعُوْا إِلیٰ أَھْلِیْکُمْ فَعَلِّمُوْھُمْ** (بخاری: ۱/۱۹) مالک بن حویرث کہتے ہیں: ہم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے اہل وعیال کے پاس جاؤ اور ان کو تعلیم دو۔ اسی طرح تعلیم کے لیے عورتوں کا ایک جگہ جمع ہونا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کی درخواست پر ان کی تعلیم کے لیے ایک دن مخصوص کرنا بھی صحیح احادیث سے ثابت ہے، اسی وجہ سے امام بخاریؒ نے اپنی صحیح کے کتاب العلم میں "**ھل یجعل للنساء یوما علی حدۃ فی العلم**" کے عنوان سے ایک باب قائم کیا ہے اور اس کے تحت حضرت ابوسعید خدریؓ کی حدیث لائے ہیں، (جو تفصیل کے ساتھ گذر چکی)۔ امام بخاری نے ایک اور باب باندھا ہے، جس کا عنوان ہے: **باب عظۃ الامام النساء وتعلیمھن** (امام کا عورتوں کو نصیحت کرنا اور تعلیم دینا)۔ خیر انہی وجوہات کی بنا پر خواتین کی دینی تعلیم وتربیت کا سلسلہ ہر دور میں رہا ہے اور ہر زمانے میں بڑی بڑی باکمال عالمات موجود رہی ہیں۔ شروع کی صدیوں میں انفرادی اور اجتماعی انداز سے درس وتدریس اور دینی تعلیم کا نظم وانتظام زیادہ تھا۔ پھر بعد کے زمانوں میں جب وہ انفرادی ترتیب باقی نہ رہی اور اجتماع کی شکل میں بھی تعلیم کا سلسلہ ختم ہو گیا، تو پھر باضابطہ مدرسوں کا وجود عمل میں آیا، جس کے بڑے اچھے اثرات مرتب ہوئے۔ لیکن اس سب کے باوجود ایک طبقہ ابھی بھی اس سوال میں الجھا ہوا ہے کہ مدرسۃ البنات قائم کرنا کیسا ہے؟ یہ سوال کہاں تک صحیح ہے، اس کا فیصلہ اہل علم پر چھوڑا جاتا ہے۔

اگر آج کی بات کی جائے تو آج زمانے کے رسم ورواج بالکل بدل گئے ہیں، معاشرہ نے ایک نئی سمت اختیار کر لی ہے، زندگی کے ہر شعبہ کے لیے تعلیم ضروری ہو گئی ہے اور حصول علم کے طور وطریقے اور نظم وانتظام بدل گئے ہیں؛ لہٰذا وقت کی ضرورتوں اور نزاکتوں کا ادراک کرتے ہوئے تعلیم نسواں کے لیے مدرسے قائم کرنا بہت ہی مستحسن

اور ناگزیر قدم ہے۔لڑکیوں کی دینی تعلیم وتربیت کے لیے مستقل علیحدہ محفوظ ایسے مدارس ومکاتب قائم کرنا جن میں پردے کا مکمل معقول انتظام ہو، اسلامی لباس ہو، آمد ورفت وغیرہ میں کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو اور کسی طرح کا کوئی امر منکر شامل نہ ہو، بلاشبہ شرعاً ناگزیر اور معاشرے کی اہم ترین ضرورت ہے۔ آج کے دینی مدرسوں میں لڑکیوں کی تعلیم بے حد مفید اور قابل اطمینان ہے۔

مدرسۃ البنات اور نسواں کالج

آج کل تعلیم نسواں کی طرف عوام وخواص کا رجحان بہت تیزی کے ساتھ بڑھ رہا ہے، جو کہ ایک خوش آئند قدم ہے۔تعلیم دو طرح کی ہے، دینی تعلیم اور عصری تعلیم۔ دینی تعلیم کے لیے آج کل مدارس البنات قائم ہیں، جہاں قرآن وحدیث اور دیگر شرعی علوم وفنون کی تعلیم کے ساتھ بقدر ضرورت عصری تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ مستقل عصری تعلیم کے لیے نسواں کالج وغیرہ قائم ہیں۔ اسلام نے نہ دینی تعلیم کے حصول سے روکا ہے اور نہ عصری؛ بلکہ دینی تعلیم کی تو ترغیب دی گئی ہے، اور دین کی بنیادی باتوں کا علم ہر ایک مرد وعورت کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے؛ البتہ چوں کہ عورتوں کی تعلیم کا مسئلہ نہایت نازک ہے، اس پُرفتن دور میں لڑکیوں کا گھروں سے باہر نکلنا ہی بے راہ روی کا باعث بنتا جارہا ہے، اس لیے تعلیم نسواں کے سلسلہ میں احتیاط کی بہت ضرورت ہے۔

اگر لڑکیوں کی تعلیم کا اندرون خانہ نظم ہو جائے تو بہت بہتر ہے، جیسا کہ شروع کی صدیوں میں انفرادی تعلیم ہوتی تھی، حضرت عمرہ بنت عبدالرحمن انصاریہؓ اور ان کی بہنیں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں رہ کر تعلیم وتربیت حاصل کرتی تھیں۔ اگر منزلی تعلیم کا نظم نہ ہو سکے تو محلہ در محلہ پردہ کے معقول نظم کے ساتھ مدرسے اور مکتب ہونے چاہئیں، جہاں

اجتماعات کی شکل میں تعلیم کا نظم ہو، شروع کی صدیوں میں اس کی بھی نظیر موجود ہے۔ اگر قومی لاپرواہی کی بناء پر اجتماعات کی شکل میں اور محلہ وار مکاتب و مدارس کا قیام نہ ہوسکے تو ہر بستی میں تو ہونا ہی چاہیے، تاکہ لڑکیوں کو تعلیم کے لیے کہیں دوسری جگہ جانا نہ پڑے، اور اس مقصد سے انہیں سفر نہ کرنا پڑے۔ لڑکیوں کی تعلیم کے لیے اعلی تعلیمی مدارس اس مقصد سے قائم کرنا کہ مسلم لڑکیاں شریعت اور پردہ کی پابند رہ کر دین سیکھیں، اس کے بعد اپنے گھروں کا ماحول دینی بنائیں، ایک صالح معاشرہ تشکیل پائے، اس مقصد سے دینی مدارس البنات کا قیام شرعا بھی درست ہے اور معاشرے کی ضرورت بھی ہے، البتہ ایسے اداروں کے ذمہ داران پر کچھ نازک ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں کہ وہ پورے حزم واحتیاط اور انتہائی سوجھ بوجھ کے ساتھ شریعت کے دائرہ میں رہ کر ادارے کو چلائیں، پردہ کا مکمل انتظام ہو، معلمات خود دیندار اور پابند شریعت ہوں، کسی طرح کے فتنے کا اندیشہ اور کوئی امر منکر شامل نہ ہو، وغیرہ۔

جہاں تک نسواں کالج کی بات ہے تو عموماً آج کل کے نسواں کالج بے راہ روی کے زیادہ شکار ہیں، شرعی پردہ کا ماحول نظر نہیں آتا ہے، تربیت پر کوئی توجہ نہیں دی جاتی ہے، ساتھ ساتھ دیگر بہت سے مفاسد بھی پائے جاتے ہیں، اکثر نسواں کالج میں مرد استاذ بھی بلا حائل لڑکیوں کو پڑھاتے ہیں لہٰذا نسواں کالج میں پائے جانے والی دینی ومعاشرتی خرابیوں اور منکرات کے سبب اس طرح کے کالج اور ادارے قائم کرنا شرعی نقطۂ نظر سے درست نہیں ہے، نیز خواتین کی دنیوی اعلی تعلیم اور محض ڈگریاں حاصل کرنے کی غرض سے نسواں کالج کا قیام شریعت کی نظر میں غیر ضروری بھی ہے۔

مخلوط نظام تعلیم اور اسلام کا موقف

آج کل مخلوط تعلیم کا رواج بہت بڑھ رہا ہے، ہر طرف اس کے تجربے ہو رہے ہیں، اور اس کو نظام تعلیم کی معراج سمجھا جا رہا ہے، جب کہ اس نظام کے تباہ کن اثرات نظروں سے پوشیدہ نہیں ہیں؛ مخلوط نظام تعلیم کی شروعات کرنے والے آج خود اس نظام سے پریشان ہیں، اور اس سے باہر نکلنے کی کوشش میں ہیں۔ دراصل یہ مغرب کی خودغرضی اور بے رحمی ہے کہ اس نے عورت سے حق مادری بھی وصول کیا اور فرائض پدری میں بھی اس کو شریک ہونے پر مجبور کیا، اور چوں کہ مرد اپنی ذمہ داری کا بوجھ بھی عورت کے کاندھوں پر ڈالنا چاہتا تھا، اس لیے ایسا نظام تعلیم وضع کیا گیا کہ جس میں عورتوں کو مرد بنانے کی صلاحیت ہو۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا تھا: تین افراد وہ ہیں جو کبھی جنت میں داخل نہیں ہوں گے، ان تین میں سے ایک کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ”الرجلة من النساء“ یعنی عورتوں میں سے مرد، دریافت کیا گیا: عورتوں میں سے مرد کون لوگ ہیں؟ فرمایا: وہ عورتیں جو مردوں کی مماثلت اختیار کریں۔ (سنن ابی داؤد ۱۰۱۶۔ صحیح بخاری ۵۸۸۵) جو عورتیں تعلیم وتربیت اور پھر اس کے بعد عملی زندگی میں مردوں کی صف میں کھڑا ہونا چاہتی ہیں، وہ بھی اس حدیث کا مصداق ہیں۔

مخلوط تعلیمی اداروں میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں ایک ساتھ رہتے ہیں، ایک ساتھ تعلیم حاصل کرتے ہیں، درس گاہ میں ایک ساتھ بیٹھتے ہیں، ایک ساتھ کھاتے پیتے ہیں اور بعض جگہ تو قیام گاہیں بھی مشترک رہتی ہیں؛ شریعت ایسے نظام تعلیم اور ایسے تعلیمی اداروں کی ہرگز اجازت نہیں دیتی ہے، اسلام کا نقطۂ نظر اس سلسلے میں بالکل واضح اور بے غبار ہے، اسلام کی نظر میں یہ نظام قطعا غلط اور غیر درست ہے۔ اجنبی مردوں اور

عورتوں کا بلا کسی شرعی ضرورت ایک دوسرے کے ساتھ رہنا، ایک دوسرے کو دیکھنا، بات چیت کرنا اور اختلاط شرعاً ممنوع ہے؛ ایسے اداروں میں ہر وقت فتنوں کے قوی اندیشے ہیں، اس لیے شریعت ایسے مخلوط تعلیمی اداروں کے قیام کی بالکل اجازت نہیں دیتی۔ آیئے! ذرا ایک نظر شریعت کی تعلیمات پر ڈالتے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ کا ارشاد ہے:

قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم ذلک ازکی لھم ان اللہ خبیر بما یصنعون، وقل للمؤمنات یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن۔ (سورۃ النور)

اے نبی! ایمان والے مردوں سے کہہ دو کہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے پاکیزہ ترین چیز ہے، اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ تعالی اس سے باخبر ہے۔ اور ایمان والی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں، اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر جو اس میں سے ظاہر ہے، اور اپنی اوڑھنیوں کو اپنے گریبانوں پر ڈال لیا کریں۔

دوسری جگہ ارشاد باری تعالی ہے:

یاایھا النبی قل لازواجک وبنتک و نساء المؤمنین یدنین علیھن من جلابیبھن ذلک ادنی ان یعرفن فلا یؤذین وکان اللہ غفورا رحیما (سورۃ الاحزاب ۵۹)

اے نبی! اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور ایمان والوں کی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں ڈال لیا کریں، اس میں زیادہ توقع ہے کہ وہ پہچان لی جائیں، تو ان کو ستایا نہ جائے (وہ اوباش لوگوں کی حرکتوں سے محفوظ رہیں گی) اور اللہ مغفرت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں:

أَنَّـهَا كَانَتْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَـيْهِ وَسَلَّمَ وَمَيْمُوْنَةُ إِذْ أَقْبَلَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُوْمٍ فَدَخَلَ عَلَـيْهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَـيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجِبَا مِنْهُ فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَ لَـيْسَ هُوَ أَعْمٰى لاَ يَبْصُرُنَا؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَـيْهِ وَسَلَّمَ: أَفَعميَاوان أَنْتُمَا أَلَسْتُمَا تبصرَانِهِ۔ (مشكوة المصابيح: ۲۶۹)

حضرت ام سلمہؓ اور حضرت میمونہؓ حضورؐ کے پاس تھیں، اچانک حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم (نابینا صحابی) آ گئے، اور وہ حضورؐ کے پاس داخل ہوئے، تو اللہ کے رسول نے فرمایا: تم دونوں ان سے پردہ کرو، میں نے کہا: یارسول اللہ! کیا وہ نابینا نہیں ہیں، وہ ہم کو نہیں دیکھیں گے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم دونوں بھی نابینا ہو اور کیا تم ان کو نہیں دیکھو گی۔

ایک دوسری روایت میں ہے:

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّـهُ كَانَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَـيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَيُّ شَيْئٍ خَيْرٌ لِلْمَرْأَةِ؟ فَسَكَتُوْا، فَلما رَجَعْتُ قُلْتُ لِفَاطِمَةَ: أَيُّ شَيْئٍ خَيْرٌ لِلنِّسَاء قَالَتْ: لاَ يَرَاهُنَّ الرِّجَالُ۔ (مجمع الزوائد: ۴۲۸/۷۔ مسند بزار: ۵۲۶)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہؐ کے پاس تھے، تو حضور علیہ السلام نے فرمایا: کونسی چیز عورت کے لیے بہتر ہے؟ تو سب خاموش رہے، پھر جب میں لوٹا، میں نے حضرت فاطمہؓ سے کہا کہ کونسی چیز عورت کے لیے بہتر ہے؟ انہوں نے کہا کہ مرد عورتوں کو نہ دیکھیں۔

ایک حدیث قدسی میں ہے: إِنَّ النَّظْرَةَ سَهْمٌ مِنْ سِهَامِ إِبْلِيْسَ مَسْمُوْمٌ، مَنْ تَرَكَـهَا مِنْ مَخَافَتِيْ أَبْدَلْتُـهُ إِيْمَانًا يَجِدُ حَلاَوَتَهُ فِيْ قَلْبِـهٖ۔ (طبراني: ۲۸۶۴ مستدرک حاكم: ۴/۳۱۴) نظر شیطان کے تیروں میں سے ایک زہریلا تیر ہے، (اللہ

تعالی فرماتے ہیں) جس نے میرے خوف سے نظر کو ترک کر دیا، تو میں اس کو بدلے میں ایسا ایمان عطا کروں گا، جس کی حلاوت وہ اپنے دل میں محسوس کرے گا۔

امام ابوبکر جصاص ؒ لکھتے ہیں:

يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلاَبِيْبِهِنَّ إلخ فِيْ هٰذِهِ الْآيَةِ دَلاَلَةٌ عَلىٰ أَنَّ الْمَرْأَةَ الشَّابَّةَ مَامُوْرَةٌ بِسَتْرِ وَجْهِهَا عَنْ الأَجْنَبِيِّيْنَ وَإِظْهَارِ السَّتْرِ وَالْعَفَافِ عِنْدَ الْخُرُوْجِ لِئَلاَّ يَطْمَعَ أَهْلُ الريْبِ فِيْهِنَّ۔ (أحكام القرآن للجصاص: ۳/۳۷۲)

آیت کریمہ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلاَبِيْبِهِنَّ میں اس بات پر دلالت ہے کہ جوان عورت کو اجنبی لوگوں سے اپنے چہرے کو چھپانے کا حکم دیا جائے گا، اور باہر نکلتے وقت پردے اور پاک دامنی کا حکم دیا جائے گا، تاکہ لالچی لوگوں کو ان کے بارے میں کوئی دلچسپی نہ ہو۔

علامہ قرطبی ؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

إِنَّ الْمَرْأَةَ كُلُّهَا عَوْرَةٌ بَدَنُهَا وَصَوْتُهَا كَمَا تَقَدَّمَ فَلاَ يَجُوْزُ كَشْفُ ذٰلِكَ إِلاَّ لِحَاجَةٍ كَالشَّهَادَةِ عَلَيْهَا۔ (تفسير القرطبي: ۱۴/۲۲۷)

عورت سراپا ستر ہے اس کا بدن بھی اور اس کی آواز بھی، لہٰذا چہرہ کھولنا جائز نہیں ہے مگر کسی ضرورت کی وجہ سے، جیسے گواہی دینا، وغیرہ۔

علامہ علاء الدین کاسانی ؒ فرماتے ہیں:

فَلاَ يَحِلُّ النَّظْرُ لِلْأَجْنَبِيِّ مِنَ الْأَجْنَبِيَّةِ الْحُرَّةِ إِلىٰ سَائِرِ بَدَنِهَا إِلاَّ الْوَجْهَ وَالْكَفَّيْنِ لِقَوْلِهِ تَعَالىٰ قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ أَبْصَارِهِمْ۔ (بدائع الصنائع: ۴/۲۹۳)

اجنبی مرد کے لیے اجنبیہ آزاد عورت کو دیکھنا جائز نہیں ہے، اس کے سارے بدن کو چہرہ اور ہتھیلیوں کے علاوہ؛ اللہ تعالی کے اس ارشاد کی وجہ سے ''مؤمنین سے کہدو کہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں''۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں:

وَيَنْظُرُ مِنَ الْأَجْنَبِيَّةِ وَلَوْ كَافِرَةً إِلىٰ وَجْهِهَا وَكَفَّيْهَا فَقَطْ لِلضَّرُوْرَةِ إلخ فَإِنْ خَافَ الشَّهْوَةَ أَوْ شَكَّ امْتَنَعَ نَظْرُهُ إِلىٰ وَجْهِهَا فَحَلَّ النَّظْرُ مُقَيَّدٌ بِعَدَمِ الشَّهْوَةِ وَإِلاَّ فَحَرَامٌ، وَهٰذَا فِيْ زَمَانِهِمْ وَأَمَّا فِيْ زَمَانِنَا فَمُنِعَ مِنَ الشَّابَّةِ۔ (الدرُّ المختار مع الشامي: ۹/۵۳۱)

اجنبیہ عورت اگر چہ وہ کافرہ ہو اس کے چہرے اور ہتھیلیوں کو دیکھنا صرف ضرورت کے وقت جائز ہے، پس اگر شہوت کا خوف ہو یا شک ہو تو اس کے چہرے کو دیکھنا بھی ممنوع ہے، لہٰذا دیکھنے کا جواز مقید ہے شہوت نہ ہونے کے ساتھ، ورنہ تو حرام ہے، اور یہ پہلے زمانہ کی بات ہے؛ اور بہر حال ہمارے زمانے میں، تو جوان عورت کے چہرے کو دیکھنا ممنوع ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی دوسری جگہ لکھتے ہیں:

اَلْعَيْنَانِ زِنَاهُمَا النَّظْرُ وَالْأُذُنَانِ زِنَاهُمَا الْاِسْتِمَاعُ وَاللِّسَانُ زِنَاهُ النُّطْقُ وَتُمْنَعُ الْمَرْأَةُ الشَّابَّةُ مِنْ كَشْفِ الْوَجْهِ بَيْنَ الرِّجَالِ، لاَ لِأَنَّهٗ عَوْرَةٌ بَلْ لِخَوْفِ الْفِتْنَةِ أَيِ الْفُجُوْرِ بِهَا۔۔۔ وَالْمَعْنٰى تُمْنَعُ مِنَ الْكَشْفِ لِخَوْفِ أَنْ يَّرَى الرِّجَالُ وَجْهَهَا فَتَقَعُ الْفِتْنَةُ، لِأَنَّهٗ مَعَ الْكَشْفِ قَدْ يَقَعُ النَّظْرُ إِلَيْهَا بِشَهْوَةٍ،

آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے، اور کانوں کا زنا سننا ہے اور زبان کا زنا بولنا ہے، اور جوان عورت کا مردوں کے سامنے چہرہ کھولنا ممنوع ہے، اس وجہ سے نہیں کہ وہ ستر میں داخل ہے، بلکہ فتنہ اور فجور کے خوف کی وجہ سے، اور چہرہ کھولنے کی ممانعت کا مطلب یہ ہے کہ اس بات کا خوف ہے کہ مرد اس کے چہرے کو دیکھیں تو فتنہ میں پڑ جائیں اس لیے کہ چہرہ کھولنے کی صورت میں کبھی اس کی طرف شہوت کی نظر بھی پڑ جائے گی۔

قَالَ عَلَيْهِ الصَّلاَةُ وَالسَّلاَمُ التَّسْبِيحُ لِلرِّجَالِ وَالتَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ فَلاَ يَحسنُ أَنْ يَّسْمَعَهَا الرَّجُلُ۔ وَفِيْ الْكَافِيْ وَلاَ تُلَبِّيْ جَهْرًا لِأَنَّ صَوْتَهَا عَوْرَةٌ۔ (رد المحتار: ۲/۷۸، زکریا)

حضورؐ کا ارشاد ہے: تسبیح مرد کے لیے ہے اور ہاتھ پر ہاتھ مارنا (تالی بجانا) عورت کے لیے ہے، تو مناسب نہیں ہے کہ مرد عورت کی آواز کو سنے۔ اور ''کافی'' میں ہے کہ عورت بلند آواز سے تلبیہ بھی نہ پڑھے، اس لیے کہ اس کی آواز کا بھی پردہ ہے۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''در مختار'' میں ہے: اَلْخَلْوَةُ بِالأَجْنَبِيَّةِ حَرَامٌ۔۔۔ وَلاَ يُكَلِّمُ الْأَجْنَبِيَّةُ، (در مختار مع الشامی: ۹/۵۳۰) اجنبیہ عورت کے ساتھ تنہائی حرام ہے۔ اسی طرح اجنبیہ عورت سے بات بھی نہ کی جائے۔

اسی طرح شریعت نے مردوں اور عورتوں کے اختلاط اور مخلوط مجلسوں پر بھی سختی سے روک لگائی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر موقع پر غایت درجہ اس بات کا اہتمام فرماتے تھے کہ مردوں اور عورتوں میں کسی بھی طرح اختلاط کی کیفیت پیدا نہ ہونے پائے، تاکہ یہ شیطان کی طرف سے کسی غلط کاری، فتنوں اور فساد کا باعث نہ ہو۔

ابوداؤد شریف کی ایک روایت میں ہے:

عَنْ حَمْزَةَ بْنِ أُسَيْدٍ الْأَنْصَارِيِّ عَنْ أَبِيْهِ أَنَّه سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ: وَهُوَ خَارِجٌ مِنَ الْمَسْجِدِ فَاخْتَلَطَ الرِّجَالُ مَعَ النِّسَاءِ فِيْ الطَّرِيْقِ فَقَالَ لِلنِّسَاءِ اسْتَأْخِرْنَ فَإِنَّهُ لَيْسَ لَكُنَّ

حضرت حمزۃ بن اسید انصاری رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا، جب کہ آپ مسجد سے نکل رہے تھے اور مردوں اور عورتوں کو راستے میں خلط ملط دیکھا، تو عورتوں

أَنْ تَحققنَ الطَّرِيْقَ عَلَيْكُنَّ بِحَافاتِ الطَّرِيْقِ فَكَانَتِ الْمَرْأَةُ تَلْتصق بِالْجِدَارِ حتّٰى أنَّ ثَوْبَـهَا ليَتَعَلّق بِالْجِدَارِ مِنْ لُصُوْقِهَا بِهٖ۔ (المعجم الكبير للطبراني: ۱۹/۲۶۱۔ سنن ابی داؤد: ۵۲۷/۲)

کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: پیچھے ہٹ جاؤ! تمہارا بیچ راستے پر چلنا مناسب نہیں، سڑک کے کنارے چلا کرو۔ چناں چہ عورتیں (راستوں) کی دیواروں سے مل کر چلتی تھیں، یہاں تک کہ ان کے کپڑے دیواروں سے لگ جاتے تھے، دیواروں سے چپک کر چلنے کی وجہ سے۔

صاحبِ فتاوی بزازیہ لکھتے ہیں: وَلاَ يُؤْذَنُ بِالْخُرُوْجِ إِلَى الْمَجْلِسِ الَّذِيْ يَجْتَمِعُ فِيْهِ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ وَفِيْهِ الْمُنْكَرَاتُ۔ (بزازیہ علی ھامش ھندیہ: ۱۵۷/۴) اور ایسی مجلس میں جانے کی اجازت نہیں ہے، جس میں مرد اور عورتیں جمع ہوں اور اس میں منکرات ہوں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں خواتین کی تعلیم وتربیت کے جو طریقے رائج تھے، وہ سب شرعی حدود میں تھے، وہاں اختلاط کی صورت ہی پیدا نہ ہو پاتی تھی؛ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کے زمانوں میں بھی لڑکیوں کی تعلیم وتربیت میں عدم اختلاط کا خصوصی اہتمام رہا ہے۔ قاضی اطہر مبارک پوری قرن اول اور اس کے بعد طالبات کے تعلیمی اسفار اور ان کے طریقۂ تعلیم وتربیت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: عام طور سے ان کے تعلیمی اسفار میں طالبات کی صنفی حیثیت کا پورا لحاظ رکھا جاتا تھا اور ان کی راحت وحفاظت کا پورا اہتمام ہوتا تھا، خاندان اور رشتہ کے ذمہ دار اُن کے ساتھ ہوتے تھے، امام سہمیؒ نے تاریخ جرجان میں فاطمہ بنت ابی عبداللہ محمد بن عبدالرحمن طلقی جرجانی کے حالات میں لکھا ہے: کہ میں نے فاطمہ کو اس زمانے میں دیکھا ہے جب ان کے والد ان کو اٹھا کر امام ابو احمد بن عدی جرجانی کی خدمت میں لے جاتے تھے اور وہ

ان سے حدیث کا سماع کرتی تھیں؛ فاطمہ بنت محمد بن علی لخمیہ اندلس کے مشہور محدث ابو محمد باجی اشبیلی کی بہن تھیں، انہوں نے اپنے بھائی ابو محمد باجی کے ساتھ رہ کر طالب علمی کی، اور دونوں نے ایک ساتھ بعض شیوخ واساتذہ سے اجازت حدیث حاصل کی۔ آگے لکھتے ہیں: ان محدثات وطالبات کی درس گاہوں میں مخصوص جگہ ہوتی تھی، جس میں وہ مردوں سے الگ رہ کر سماع کرتی تھیں، اور طلبہ وطالبات میں اختلاط نہ ہوتا تھا۔ (خواتین اسلام کی دینی خدمات: ۳۲-۳۳)

لہذا دینی، شرعی اور سماجی مفاسد کی بناء پر مخلوط طور پر تعلیم حاصل کرنا جائز نہیں ہے، شریعت مخلوط تعلیمی اداروں کے قیام کی بالکل اجازت نہیں دیتی ہے، شرعی نقطۂ نظر سے ایسے اداروں کو بند کرنا ضروری ہے، ایسی تعلیم جس سے عورت کی عفت وعصمت پر آنچ آئے اس کے مقابلے جاہل رہنا ہی بہتر ہے۔

اگر کسی مخلوط تعلیمی ادارے کا نظام کچھ اس طرح ہو کہ ایک حصہ خواتین کی تعلیم کے لیے خاص ہو اور دوسرا حصہ مردوں کے لیے، اور دونوں کا نظم ونسق بھی الگ ہو، مردوں کو پڑھانے والے مرد حضرات ہوں، خواتین کو پڑھانے والی معلمات ہوں، پردے کا معقول نظم ہو، تو یہ نظام شرعی نقطۂ نظر سے درست ہے؛ لیکن چوں کہ ایسے ادارے میں بھی فتنوں کے اندیشے اور احتمالات ہیں، شریعت نے ہر اس دروازے کو بند کیا ہے جہاں سے فتنے کے در آنے کا ذرا سا بھی اندیشہ ہو؛ لہٰذا ایسے ادارے کی بھی حوصلہ افزائی نہیں کی جا سکتی۔ تعلیم نسواں کے لیے مستقل علیحدہ ادارہ ہونا چاہیے۔

اگر کوئی ایسا تعلیمی ادارہ ہے، جہاں چھوٹے چھوٹے بچے اور بچیاں مخلوط طور پر تعلیم حاصل کرتے ہوں، جو شعور کی حد کو نہ پہنچے ہوں؛ تو شرعی نقطۂ نظر سے ایسا ادارہ درست ہے، تاہم ایسے بچوں کا بھی نظم ونسق الگ الگ رکھنا چاہیے اور ان کی نگرانی کا خصوصی اہتمام ہونا چاہیے۔

اقامتی مدارس؛ شریعت کی نظر میں

موجودہ دور میں بعض جگہ خصوصاً شہروں میں لڑکیوں کی دینی تعلیم وتربیت کے لیے اقامتی جامعات یا اقامتی مدارس ومکاتب قائم ہیں، جن میں دور دراز سے آ کرلڑکیاں تعلیم حاصل کرتی ہیں، ان کا قیام وطعام بھی وہیں رہتا ہے، ان کی کفالت مدرسہ خود کرتا ہے اور بعض لڑکیاں خود کفیل ہوتی ہیں۔لڑکیوں کی تعلیم وتربیت کا سب سے بہتر طریقہ تو یہی ہے کہ اندرون خانہ نظم ہو، یا محلہ میں کوئی قابل خاتون ہوتو اس کے پاس جا کر ضروریات دین کا علم حاصل کریں؛ اگر اس کا نظم نہ ہوسکے تو محلہ میں کوئی دینی مدرسہ یا مکتب ہونا چاہیے، جہاں تمام شرعی حدود وشرائط کا پاس ولحاظ ہو، پردے کا مکمل نظم ہو، پڑھانے والی صرف استانیاں ہوں، تربیت اور اخلاقی نگرانی کا مکمل بند وبست ہو، وغیرہ۔اگر محلہ میں کوئی اس طرح کا دینی ادارہ نہ ہو،تو بستی میں اگر اس طرح کا کوئی دینی ادارہ ہے تو وہاں جا کرتعلیم حاصل کریں۔اگر بستی میں بھی کوئی دینی مدرسہ نہ ہوتو قریب کے کسی اقامتی جامعہ یا اقامتی مدرسہ ومکتب میں جا کرتعلیم حاصل کرسکتی ہیں؛ اس کی نظیر حضرت عمرہ بنت عبدالرحمن انصاریہ کا عمل بھی ہے، ان کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ اور ان کی بہنیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں رہ کرتعلیم وتربیت حاصل کرتی تھیں۔البتہ اقامتی جامعات یا اقامتی مدارس وغیرہ میں مندرجہ ذیل امور کا لحاظ شرعا لازم اورضروری ہے۔

(۱) پردہ کا مکمل انتظام ہو،حتی کہ مراہقہ بھی بے پردہ نہ پائی جائے۔

(۲) قیام وطعام حتی کہ سارا داخلی نظام مستورات ہی کے ہاتھ میں ہو۔البتہ خارجی نظام مردوں کے ہاتھ میں ہوتو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے؛ لیکن مرد ذمہ داران اورکسی

طالبہ یا استانی کا کوئی رابطہ نہ ہو، اس کی سخت نگرانی کا اہتمام ہونا چاہیے۔

(۳) نگراں صرف مستورات ہوں۔

(۴) تربیت، امورِ خانہ داری اور اخلاقی نگرانی پر سخت نظر رکھی جائے۔

(۵) تعلیمی امور کے علاوہ رہن سہن اور قیام وطعام وغیرہ کا شرعی دائرے میں بند وبست ہو، نماز اور دیگر عبادات کے لیے معقول نظم اور مناسب انتظام ہو۔

(۶) لڑکیوں کا ایک جگہ ''دار الاقامہ'' میں اکھٹا ہوکر رہنا فتنوں اور پریشانیوں کا باعث بھی ہوسکتا ہے، اس لیے سخت نگرانی کا بند وبست بہت ضروری ہے؛ نیز نگراں صرف خواتین ہی ہوں، کسی بھی مرد کو نگراں مقرر کرنا فتنوں کے اندیشے کی وجہ سے درست نہیں ہے۔

خواتین کی تدریس کی شرعی حیثیت

دینی تعلیم سیکھنے سکھانے کے لیے مکمل پردے کے ساتھ شہر اور بستی کے ایسے مدرسوں میں آنا جانا، جہاں صرف لڑکیوں کی تعلیم کا ہی بند وبست ہو، شرعی نقطۂ نظر سے درست ہے۔ اگر لڑکیوں کے کسی ادارے میں قریب البلوغ یا اس سے زائد عمر کے لڑکے بھی پڑھتے ہوں، جو درس گاہ میں شریک رہتے ہوں، تو معلمات کے لیے ایسے ادارے میں پڑھانے کے لیے جانا درست نہیں ہے۔ شریعت کی تعلیمات کے پیشِ نظر معلمات کا بلا حجاب یا بلا حائل لڑکوں کو پڑھانا ممنوع ہے۔ ہاں البتہ اگر چھوٹے چھوٹے بچے ہوں تو کوئی حرج نہیں ہے، تاہم لڑکیوں اور بچوں کے درجات اور درس گاہیں الگ الگ بنانی چاہئیں۔ آج کل بعض جگہ خواتین لڑکوں کو بلا حجاب اور بلا حائل پڑھاتی ہیں، اور اس کا رواج بہت بڑھتا جا رہا ہے، یہ طریقہ شرعاً غلط ہے۔ شریعت نے پردے کا بہت زیادہ

تاکیدی حکم دیا ہے، اور مردوں اور عورتوں کے اختلاط پر سختی سے پابندی لگائی ہے۔ قرآن کریم میں مردوں اور عورتوں کو نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے راستے میں مردوں اور عورتوں کو خلط ملط دیکھا تو عورتوں کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: پیچھے ہٹ جاؤ، تمہارا بیچ راستہ پر چلنا مناسب نہیں، سڑک کے کنارے چلا کرو۔ (سنن ابی داؤد: ۵۲۷۲)

صاحب فتاوی بزازیہ لکھتے ہیں: **ولا يؤذن بالخروج إلى المجلس الذي يجتمع فيه الرجال والنساء وفيه المنكرات** (بزازيه على هامش هنديه: ۴/۱۵۷) اور ایسی مجلس میں جانے کی اجازت نہیں ہے، جس میں مرد اور عورتیں جمع ہوں اور اس میں منکرات ہوں۔

چہرہ عورت کے ستر میں داخل نہیں ہے، لیکن فتنے کے اندیشے کی وجہ سے اجنبی مردوں کے سامنے چہرہ نہیں کھولنا چاہیے۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: **تُمْنَعُ الْمَرْأَةُ الشَّابَّةُ مِنْ كَشْفِ الْوَجْهِ بَيْنَ الرِّجَالِ، لاَ لِأَنَّهُ عَوْرَةٌ بَلْ لِخَوْفِ الْفِتْنَةِ أَيِ الْفُجُوْرِ بِهَا۔** (ردالمحتار: ۲/۷۹، زکریا) جوان عورت کا مردوں کے سامنے چہرہ کھولنا ممنوع ہے، اس وجہ سے نہیں کہ وہ ستر میں داخل ہے، بلکہ فتنہ اور فجور کے خوف کی وجہ سے۔

جہاں تک بات ہے بعض علماء کے بعض خواتین عالمات سے استفادہ کرنے کی، جیسا کہ پچھلے صفحات میں گزرا؛ تو واضح رہے کہ وہ سب شرعی حدود وقیود میں تھا، جس کے بارے میں کوئی کلام ہی نہیں ہے، لیکن وہ نظام آج کے زمانے میں عموماً مفقود ہے۔

مدرسۃ البنات میں مرد مدرس کا پڑھانا

شریعت مطہرہ کا عمومی حکم یہ ہے کہ مراہقہ اور بالغہ لڑکیاں بے پردہ گھر سے نہ نکلیں، اگر تعلیم کے لیے باہر نکلنا پڑے تو پردہ اور حجاب کے ساتھ باہر نکلیں، تعلیمی اداروں میں

جا کر بھی پردہ کا مکمل اہتمام رکھیں، کسی غیر محرم سے خلوت نہ ہو، نیک وصالح معلمات سے تعلیم حاصل کریں۔ لہذا شریعت کی تعلیمات کے پیش نظر مدرسۃ البنات میں پڑھانے کے لیے صرف مستورات ہی مقرر کی جائیں، کسی بھی مرد کو استاذ مقرر کرنا فتنوں کے اندیشے کی وجہ سے درست نہیں ہے، قرآن وحدیث سے یہی مستفاد ہوتا ہے۔ البتہ اگر کوئی تعلیمی ادارہ ایسی جگہ پر قائم ہے، جہاں خواتین معلمات میسر نہ ہوں اور کوشش کے باوجود بھی معلمات کا نظم نہ ہو سکے، تو پھر بدرجۂ مجبوری کسی نیک وصالح اور قابل اعتماد مرد کو استاذ مقرر کر سکتے ہیں، بشرطیکہ وہ پردہ کے مکمل اہتمام کے ساتھ پڑھائے۔

مدارس البنات کے لیے کچھ اہم شرائط

آج کے دور میں تعلیم نسواں کا مسئلہ نہایت نازک ہے، ایک طرف مسلمان ہونے کی حیثیت سے دینی تعلیم ناگزیر ہے، دوسری جانب سماجی اور معاشرتی تقاضوں کی بنا پر عصری تعلیم کی بھی ضرورت موجود ہے، نیز آج کے دور میں خواتین کے رشتۂ ازدواج میں بھی تعلیم کو بڑی اہمیت حاصل ہوگئی ہے، جس کی بنا پر خواتین میں تعلیم کا رجحان روز بروز بہت بڑھتا جا رہا ہے۔ آج کل گھروں کا ماحول کچھ اس طرح ہے کہ منزلی تعلیم کی کوئی خاطر خواہ صورت نظر نہیں آتی، حالات زمانہ کے تقاضوں اور ضرورتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے تعلیم نسواں کے لیے مدارس البنات کا قیام عمل میں آیا ہے، جہاں لڑکیوں کو دینی تعلیم وتربیت کے ساتھ بقدر ضرورت عصری تعلیم سے بھی آراستہ کیا جاتا ہے۔ مدارس البنات خصوصی نظر کے محتاج ہیں، کیوں کہ عورت خود ایک پردہ کی چیز ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ تعلیم کے نام پر فتنوں کے دروازے کھل جائیں؛ لہذا شرعاً کچھ شرائط کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے، جو مدارس ان شرائط کی رعایت اور پابندی کے ساتھ چل رہے ہیں وہ قابل

ستائش ہیں اور ایسے اداروں کا قیام وقت کی اہم ترین ضرورت بھی ہے، اور جن تعلیمی اداروں میں وہ شرائط ملحوظ نہ ہوں، وہاں ان کی رعایت اور پابندی ضروری ہے، ورنہ پھر اس ادارے کو بند کرنے میں ہی خیر ہے۔ شرائط مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) پردہ کا مکمل اہتمام:

عورت خود ایک چھپانے کی چیز ہے، پردہ اور حیا اس کی فطرت میں شامل ہے، اسی لیے اسلام نے پردے اور حیا پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ قرآن کریم میں تقریباً سات آیتیں پردۂ نسواں اور اس کی تفصیلات سے متعلق نازل ہوئی ہیں، اور ستر سے زیادہ احادیث میں قولاً وعملاً پردے کے احکام بتائے گئے ہیں۔ پردہ عفت مآبی کی فطری تدبیر ہے، نیز عورتوں کا صحیح معنی میں تحفظ پردے ہی کے ذریعہ ہوسکتا ہے، پردہ پوری انسانی برادری کو پرسکون اور باوقار زندگی عطا کرنے کی فطری تدبیر اور یقینی ضمانت ہے۔ بے پردگی کے مفاسد نظروں سے پوشیدہ نہیں ہیں۔

قرآن کریم میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **یَآ اَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِاَزْوَاجِکَ وَبَنٰتِکَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِھِنَّ ذٰلِکَ اَدْنٰیٓ اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا** (الاحزاب: ۵۹) اے نبی! اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنی چادریں اپنے اوپر لٹکا لیں، اس میں یہ قریب ہے کہ وہ پہچانی جائیں اور کوئی ان کو نہ ستائے اور اللہ تعالی بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اس آیت کریمہ سے یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ اگر خواتین کو ضرورت کے وقت باہر نکلنا پڑے، تو وہ لمبی چادریں (یا برقع وغیرہ) پہن کر باہر نکلیں، اس سے پردۂ شرعی کے حکم کی تعمیل بھی ہو جائے گی اور بہت سہولت کے ساتھ اوباش اور شریر لوگوں کی حرکتوں سے حفاظت بھی۔ لفظ ''جلابیب'' جلباب کی جمع ہے، جو لمبی چادر کو کہا جاتا ہے،

جس میں عورت سر سے پیر تک مستور ہو جائے، جس کی ہیئت کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ وہ چادر ہے جو دوپٹے کے اوپر اوڑھی جاتی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ مذکورہ آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: **أَمَرَ اللّٰہُ نِسَاءَ الْمُؤْمِنِیْنَ إِذَا خَرَجْنَ مِنْ بُیُوْتِھِنَّ فِيْ حَاجَةٍ أَنْ یُغَطِّیْنَ وُجُوْھَھُنَّ مِنْ فَوْقِ رُؤُوْسِھِنَّ بِالْجَلاَبِیْبِ وَیُبْدِیْنَ عَیْنًا وَاحِدًا** (تفسیر ابن کثیر: ۱۰۸۳) اللہ تعالی نے مسلمانوں کی عورتوں کو حکم دیا کہ جب وہ کسی ضرورت سے اپنے گھروں سے باہر نکلیں تو اپنے سروں کے اوپر سے چادر لٹکا کر چہروں کو چھپالیں اور صرف ایک آنکھ (راستہ میں دیکھنے کے لیے) کھلی رکھیں۔ امام محمد ابن سیرینؒ سے مروی ہے کہ مشہور تابعی حضرت عبیدہ نے آیت کریمہ "**یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ مِنْ جَلاَبِیْبِھِنَّ**" کی عملی تفسیر کرتے ہوئے چادر کو چہرے پر اس طرح لپیٹا کہ صرف ایک آنکھ نظر آرہی تھی۔ (احکام القرآن: ۳/۳۷۱) گویا انہوں نے آیت مبارکہ کی تفسیر اس طرح فرمائی کہ عورت پورے بدن کو چہرے سمیت ڈھانک لے، اور صرف بقدر ضرورت ایک آنکھ کھلی رکھے، تاکہ راستے میں دیکھ کر چلنے میں دشواری نہ ہو۔

بہت سی روایات سے ثابت ہے کہ ازواج مطہرات جب اپنے والدین وغیرہ سے ملاقات یا عزیزوں کی بیمار پرسی اور تعزیت وغیرہ کے لیے گھروں سے نکلتی تھیں تو پردے کا مکمل اہتمام رکھتی تھیں۔ اسی طرح جب وہ حج وعمرہ وغیرہ کے لیے گھروں سے نکلتی تھیں تو پردے کے مکمل اہتمام کے ساتھ نکلتی تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: **کَانَ الرَّکْبَانُ یَمُرُّوْنَ بِنَا وَنَحْنُ مُحْرِمَاتٌ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَإِذَا حَاذَوْا بِنَا سَدَلَتْ إِحْدَانَا جِلْبَابَھَا مِنْ رَأْسِھَا عَلیٰ وَجْھِھَا فَإِذَا جَاوَزُوْنَا کَشَفْنَاہ**۔ (ابو داؤد ۱/۲۵۴) قافلے ہمارے پاس سے گذرتے تھے اور ہم بحالت احرام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر حج میں تھے، تو جب قافلوں کے لوگ

ہمارے سامنے آتے تو ہم اپنی چادر اپنے سر سے چہرے پر لٹکا لیتے، اور جب قافلے آگے بڑھ جاتے تو ہم اپنے چہرے کھول لیتے تھے۔ دیکھیے! امت کی سب سے پاکیزہ ترین خواتین ازواج مطہرات پردے کا کس قدر اہتمام فرما رہی ہیں۔

اسی طرح ایمان والی عورتیں جب ضرورت کے وقت گھروں سے باہر نکلتی تھیں، تو لمبی چادریں (برقع وغیرہ) لپیٹ کر نکلا کرتی تھیں، حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں: **لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ، خَرَجَ نِسَاءُ الْأَنْصَارِ كَأَنَّ عَلٰى رُؤُوْسِهِنَّ الْغِرْبَانُ مِنَ الْأَكْسِيَةِ** (سنن ابوداؤد:۲/۵۶۷) جب یہ آیت ''**يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ**'' نازل ہوئی تو انصار کی عورتیں اس حالت میں کالا لباس پہنے ہوئے گھروں سے نکلیں گویا ان کے سروں پر کالے کوّے بیٹھے ہوں۔ ابوداؤد کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک عورت کا لڑکا جنگ میں شہید ہو گیا، تو تحقیق کے لیے اس کی والدہ حجاب کے ساتھ پورے پردے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، مجلس میں موجود صحابہ کرام تعجب سے کہنے لگے کہ: اس پریشانی میں بھی نقاب نہیں چھوڑا! ان صحابیہ عورت نے جواب دیا کہ: میرا بیٹا گم ہو گیا، میری شرم و حیا تو نہیں گم ہوئی۔ (سنن ابی داؤد:۱/۳۳۷)

آج کل برقعوں کا جو رواج ہے یہ بھی دورِ نبوت کی پاکیزہ خواتین اسلام کے عمل سے ماخوذ ہے، برقعہ بھی اسی چادر کا متبادل اور قائم مقام ہے جس کا تذکرہ قرآن کریم میں لفظ ''جلباب'' سے کیا گیا ہے، البتہ پہلے زمانے میں برقعے کالے اور سفید رنگ کے ڈھیلے ڈھالے ہوتے تھے، خواتین اسلام انہی برقعوں کو پسند کرتی تھیں، جو پورے بدن کو چھپا بھی لیتے تھے اور عورت کی شرافت کو بھی ظاہر کرتے تھے؛ لیکن آج کل ایسے برقعوں کا چلن ہو گیا ہے اور بازار میں بہت سے ایسے برقعے آ گئے ہیں جن سے برقع کا مقصد ہی فوت ہو رہا ہے، کپڑا اتنا باریک کہ اندر تک کا لباس نظر آتا ہے، سائز اتنا تنگ کہ جس

سے جسم کی مکمل ساخت ظاہر ہوتی ہے۔ رنگ برنگ دھاگوں کے پھول، نئے نئے ڈیزائن، بھڑک دار رنگ، چمکیوں اور موتیوں وغیرہ سے مزین بڑے بڑے قیمتی اور جاذبِ نظر برقعوں کا آج چلن ہوگیا ہے؛ اور ایسے برقعے بازار میں بکثرت دستیاب ہیں، جن کے پہننے سے کبھی برقعہ کا مقصد حاصل نہیں ہوسکتا، جو بجائے حیا کے بے حیائی کو ظاہر کرتے ہیں۔ ساتھ ہی بہت سی خواتین پورا چہرہ یا آدھا چہرہ کھلا رکھتی ہیں، بعض خواتین برقع پہننے کے باوجود سر کے بال برقع کے باہر ڈالے رکھتی ہیں، جو کھلی ہوئی بے پردگی، بے حجابی اور بے غیرتی ہے۔

مشہور مفسر علامہ آلوسیؒ اپنی معرکۃ الآراء تفسیر ''روح المعانی'' میں لکھتے ہیں:

ثم اعلم أنَّ عندي ممّا يلحق بالزينة المنهي عن ابدائها ما يلبسه أكثر مترفات النساء في زماننا فوق ثيابهِنّ ويتسترنَ به إذا خرجْنَ من بيوتِهِنَّ وهو غطاء منسوج من حرير ذي عدة الوان وفيه من النقوش الذهبية أو الفضة ما يبهر العيون، وأرى أن تمكين أزواجهن ونحوهم لهُنَّ من الخروج بذلك و مشيهن به بين الاجانب من قلة الغيرة وقد عمت البلوى بذلك۔

(روح المعاني: ۱۸/۱۴۶)

یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہیے کہ میرے خیال میں جس طرح کی زینت کا اظہار شریعت میں منع ہے، اس میں یہ بھی ہے جو ہمارے زمانے کی مالدار عورتیں اپنے کپڑوں کے اوپر پہنتی ہیں، اور گھر سے باہر نکلتے وقت ان کپڑوں سے پردے کا کام لیتی ہیں، حالاں کہ وہ رنگ برنگ ریشمی دھاگوں سے بنا ہوا برقع ہوتا ہے، جس میں سونا یا چاندی کی نقش نگاری ہوتی ہے، جسے دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہوجاتی ہیں؛ اور میں سمجھتا ہوں کہ شوہر وغیرہ کا ان عورتوں کو اس انداز میں گھر سے نکلنے اور اجنبی مردوں کے درمیان آنے جانے پر روک ٹوک نہ کرنا بے غیرتی پر مبنی ہے، جس کا چلن آج کل بہت عام ہوگیا ہے۔

ان فیشن ایبل برقعوں کے متعلق مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے **"احکام القرآن للجصاص"** کے حوالے سے لکھا ہے کہ: جب زیور کی آواز تک کو قرآن کریم نے اظہارِ زینت میں قرار دے کر ممنوع کیا ہے، تو مزین رنگوں کے کامدار برقعے پہن کر نکلنا بدرجۂ اولی ممنوع ہوگا۔ (معارف القرآن: ۶/ ۴۰۷)

احمد بن مالکی کہتے ہیں: فتنے کے اندیشے کی وجہ سے عورتوں پر واجب ہے کہ وہ مزین اور نقش ونگار والے برقعوں کے بجائے سادہ برقع پہن کر اجنبی مردوں سے پردہ کرکے باہر نکلیں۔ (حاشیۃ الصاوی: ۵/ ۱۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اے لوگوں! تم اپنی عورتوں کو زینت اور اترانے والے برقعے اور چادریں پہن کر مسجد جانے سے روکو، اس لیے کہ بنی اسرائیل کی عورتوں پر زینت اور اترانے والے لباس پہن کر مسجدوں میں جانے کی سبب لعنت ہوئی تھی۔ (فتح القدیر: ۱/۳۷۶)

لہٰذا خواتین ڈھیلے ڈھالے، سادے اور غیر جاذب نظر برقعے پہن کر باہر نکلیں۔ یہ بات یاد رکھیں! برقعے زینت کے اظہار کے لیے نہیں، بلکہ زینت کو چھپانے کے لیے ہیں۔ برقعوں میں مندرجہ ذیل باتوں کا خاص خیال رکھا جائے:

(۱) برقعہ کا کپڑا سادہ ہو، نقش ونگار اور پھول پتوں سے مزین جاذب نظر نہ ہو، اتنا باریک نہ ہو کہ اندر تک کا لباس نظر آئے۔

(۲) برقع کا سائز اتنا بڑا ہو کہ مکمل بدن ملبوس کپڑوں کے ساتھ چھپ جائے، اتنا چست نہ ہو کہ جسم کی مکمل ساخت ظاہر ہونے لگے۔

(۳) نقاب اس طرح لگائیں کہ پیشانی، بھوئیں اور ناک کا حصہ نظر نہ آئے، آنکھوں پر جالی دار کپڑا لگالیں تو بہتر ہے۔

(۴) اوڑھنی اتنی بڑی ہو کہ جس سے گردن، بال اور سینہ اچھی طرح چھپ جائے۔

(۵) اوڑھنی کے ذریعہ سر کے بالوں کو چھپانے کے ساتھ ساتھ چوٹی کے بالوں کو بھی اندر کر لیں، سر اور بال دونوں ستر میں داخل ہیں، جن کا چھپانا ضروری ہے۔ (فتاوی ھندیه: ۱/۵۸) احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی عورتیں جو اپنے بال غیر مردوں کو دکھاتی پھرتی ہیں، وہ قیامت کے دن سخت سزا کی مستحق ہوں گی۔

لہٰذا خواتین جب مدرسہ جائیں تو مکمل پردے کے ساتھ گھر سے نکلیں، آمد و رفت میں پردے کا خصوصی اہتمام ہو اور مدرسے میں جا کر بھی پردے کا پورا خیال رکھیں؛ آمد و رفت یا اقامت کے دوران کوئی بھی سمجھ دار لڑکی جس کی عمر فقہاء نے نو دس سال لکھی ہے، بے پردہ نہ پائی جائے۔ یاد رکھیں! عورت جب بے پردہ ہو کر باہر نکلتی ہے، تو پھر وہ عورت نہیں، بلکہ بہت سی بری نظروں کے لیے تفریح کی چیز بن جاتی ہے۔

ایک حدیث میں ہے: **عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمَرْأَۃُ عَوْرَۃٌ فَإِذَا خَرَجَتْ اسْتَشْرَفَھَا الشَّیْطَانُ** (ترمذی ۱/ ۲۲۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عورت سراپا ستر ہے، پس جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی تانک جھانک کرتا ہے۔ لہٰذا گھر سے مدرسے تک تنہا نہ جائیں، یا تو کسی محرم کو ساتھ میں لے لیں، یا چند لڑکیاں مل کر ایک ساتھ جائیں، یا مدرسے کے ذمہ داروں کی طرف سے طالبات اور معلمات کی آمد و رفت کے لیے شرعی پردے کے ساتھ کوئی محفوظ و معقول انتظام ہو۔

(۲) مدرسہ میں پڑھانے والی صرف خواتین ہوں:

شریعت اسلامی نے مردوں اور عورتوں کے بعض احکام الگ الگ رکھے ہیں۔ شریعت نے ایسی محفلوں، مجلسوں اور اجتماعات پر سختی سے روک لگائی ہے، جہاں مرد اور عورتوں کا اختلاط ہو، کیوں کہ اختلاط فتنوں کی جڑ ہے، اختلاط سے طرح طرح کے فتنے

پیدا ہوتے ہیں، جس کے نتیجے میں معاشرہ تباہی کے دہانے پر جاتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ مدارس البنات میں درس وتدریس اور تعلیم دینے والی صرف خواتین ہوں، کسی بھی مرد کو استاذ مقرر نہ کیا جائے۔ مرد استاد یا تو بغیر پردے کے پڑھائے گا یا پردے کے ساتھ؟ بغیر پردے کے پڑھانا کسی بھی حال میں درست نہیں ہے، اس لیے کہ پردے کے بغیر پڑھانے کی صورت میں بہت سے مفاسد کا اندیشہ ہے۔

جب پردے کے احکام نازل ہوئے تھے، تو مؤمنین کو یہ بھی حکم ہوا تھا کہ اگر وہ امہات المؤمنین سے کوئی سامان وغیرہ لینا چاہیں، تو سامنے سے آکر نہ لیں، بلکہ پردے کے پیچھے سے لیں؛ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَاِذَا سَئَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ** (الاحزاب: ۵۳) اور جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے پیچھے سے مانگا کرو، یہ تمہارے اور ان کے دلوں کے لیے زیادہ پاکیزگی کا باعث ہے۔ آیت کریمہ بتا رہی ہے کہ اجنبی مردوں اور عورتوں کے درمیان دلی پاکیزگی کے لیے پردے کا اہتمام نہایت ضروری ہے۔ پھر یہ حکم صحابہ کرام اور ازواج مطہرات کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ ساری امت کے لیے عام ہے۔ چناں چہ مفسر قرآن علامہ قرطبیؒ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

وَيَدْخُلُ فِيْ ذٰلِكَ جَمِيْعُ النِّسَاءِ بِالْمَعْنٰى وَبِمَا تَضَمَّنَتْهُ أُصُوْلُ الشَّرِيْعَةِ مِنْ أَنَّ الْمَرْأَةَ كُلَّهَا عَوْرَةٌ بَدَنُهَا وَصَوْتُهَا۔۔۔ فَلَا يَجُوْزُ كَشْفُ ذٰلِكَ۔ (تفسير القرطبي: ۱۴/۲۲۷)

اور معناً اس حکم میں تمام عورتیں داخل ہیں اور اصول شریعت سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ عورت سراپا ستر ہے، اس کا بدن اور اس کی آواز بھی۔ لہٰذا بے پردہ رہنا جائز نہیں ہے۔

پردے کا حکم مردوں اور عورتوں کو نفسانی وساوس اور فتنوں سے پاک رکھنے کے

لیے ہے۔ امت کے پاک باز ترین افراد یعنی صحابہ کرام اور پاکیزہ ترین خواتین یعنی ازواجِ مطہرات کو پردے کا اتنا تاکیدی حکم دیا جا رہا ہے، تو عام لوگوں کے لیے بغیر پردہ ملنا، بات چیت کرنا یا بغیر پردہ تعلیم کیوں کر جائز ہو سکتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے:

عَنْ أُمِ سَلْمَةَ أَنَّهَا كَانَتْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَيْمُوْنَةُ إِذْ أَقْبَلَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُوْمٍ فَدَخَلَ عَلَيْهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْتَجِبَا مِنْهُ فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَ لَيْسَ هُوَ أَعْمٰى لاَ يُبْصِرُنَا؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَفَعمیاوان أَنْتُمَا أَلَسْتُمَا تبْصِرَانِهِ (مشكوة المصابيح ۲۶۹)

حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ وہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا حضورؐ کے پاس تھیں، اچانک حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم (نابینا صحابی) آ گئے، اور وہ حضورؐ کے پاس داخل ہوئے، تو اللہ کے رسول نے فرمایا: تم دونوں ان سے پردہ کرو، میں نے کہا کہ یا رسول اللہ! کیا وہ نابینا نہیں ہیں، وہ ہم کو نہیں دیکھیں گے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم دونوں بھی نابینا ہو اور کیا تم ان کو نہیں دیکھو گی۔

ایک دوسری روایت میں ہے:

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَيُّ شَيْئٍ خَيْرٌ لِلْمَرْأَةِ؟ فَسَكَتُوْا، فلما رَجَعْتُ قُلْتُ لِفَاطِمَةَ: أَيُّ شَيْئٍ خَيْرٌ لِلنِّسَاءِ، قَالَتْ: لاَ يَرَاهُنَّ الرِّجَالُ۔ (مجمع الزوائد: ۷۳۲۸)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے، تو آپ نے فرمایا: کونسی چیز بہتر ہے عورت کے لیے؟ صحابہ کرام خاموش رہے، تو جب میں لوٹا، میں نے فاطمہؓ سے کہا کہ: کونسی چیز عورتوں کے لیے بہتر ہے؟ انہوں نے کہا: کہ مرد عورتوں کو نہ دیکھیں۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلْعَيْنَانِ زِنَاهُمَا النَّظْرُ وَالْأُذُنَانِ زِنَاهُمَا الْاِسْتِمَاعُ وَاللِّسَانُ زِنَاهُ النُّطْقُ وَتُمْنَعُ الْمَرْأَةُ الشَّابَّةُ مِنْ كَشْفِ الْوَجْهِ بَيْنَ الرِّجَالِ، لاَ لِأَنَّهُ عَوْرَةٌ بَلْ لِخَوْفِ الْفِتْنَةِ أَيِ الْفُجُوْرِ بِهَا۔۔ وَالْمَعْنٰى تُمْنَعُ مِنَ الْكَشْفِ لِخَوْفِ أَنْ يَّرَى الرِّجَالُ وَجْهَهَا فَتَقَعُ الْفِتْنَةُ، لِأَنَّهُ مَعَ الْكَشْفِ قَدْ يَقَعُ النَّظْرُ إِلَيْهَا بِشَهْوَةٍ، قَالَ عَلَيْهِ الصَّلاَمُ وَالسَّلاَمُ التَّسْبِيْحُ لِلرِّجَالِ وَالتَّصْفِيْقُ لِلنِّسَاءِ فَلاَ يَحْسُنُ أَنْ يَسْمَعَهَا الرَّجُلُ۔ وَفِيْ الْكَافِيْ وَلاَ تُلَبِّيْ جَهْرًا لِأَنَّ صَوْتَهَا عَوْرَةٌ۔ (فتاوی شامی: ۲/۷۸)

آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے، اور کانوں کا زنا سننا ہے اور زبان کا زنا بولنا ہے، اور جوان عورت کا مردوں کے سامنے چہرہ کھولنا ممنوع ہے، اس لیے نہیں کہ وہ ستر میں داخل ہے، بلکہ فتنہ اور فجور کے خوف کی وجہ سے، اور چہرہ کھولنے کی ممانعت کا مطلب یہ ہے کہ اس بات کا ڈر ہے کہ آدمی اس کے چہرے کو دیکھے اور وہ فتنہ میں پڑ جائے اس لیے کہ چہرہ کھولنے کی صورت میں کبھی شہوت کے ساتھ اس کی طرف نظر پڑ جائے گی۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: تسبیح کا تعلق مردوں سے ہے اور ہاتھ پر ہاتھ مارنے (تالی بجانے) کا تعلق عورتوں سے ہے، تو اچھا نہیں ہے کہ عورت کی آواز کو مرد سنے۔ اور ''کافی'' میں ہے کہ عورت زور سے تلبیہ بھی نہ پڑھے، کیوں کہ اس کی آواز کا بھی پردہ ہے۔

علامہ شامی دوسری جگہ فرماتے ہیں:

وَيَنْظُرُ مِنَ الْأَجْنَبِيَّةِ وَلَوْ كَافِرَةً إِلىٰ وَجْهِهَا وَكَفَّيْهَا فَقَطْ لِلضَّرُوْرَةِ إلخ فَإِنْ خَافَ الشَّهْوَةَ

اور اجنبیہ عورت کے چہرے اور ہتھیلیوں کو صرف ضرورت کی وجہ سے دیکھنے کی اجازت ہے، پس اگر شہوت کا خوف ہو

أوْشک امْتَنَعَ نَظْرُهٗ إلیٰ وَجْهِهَافَحَلَّ النَّظْرُ مُقَیَّدٌ بِعَدَمِ الشَّهْوَةِ وَإلاَّ فَحَرَامٌ، وَهٰذَا فِيْ زَمَانِهِمْ وَأَمَّا فِيْ زَمَانِنَا فَمُنِعَ مِنَ الشَّابَّةِ۔ (الدرُ المختار مع الشامي: ۹/۵۳۱)

یا شک ہوتو اس کے چہرے کو دیکھنا ممنوع ہے، تو دیکھنے کی اجازت شہوت نہ ہونے کے ساتھ مقید ہے، ورنہ تو دیکھنا حرام ہے؛ اور یہ پہلے زمانہ کی بات ہے، اور بہر حال ہمارے زمانے میں تو جوان عورت کے چہرے اور ہتھیلیوں کو دیکھنا ممنوع ہے۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''در مختار'' میں ہے: وَفِيْ الْأَشْبَاہِ: اَلْخَلْوَةُ بِالْأَجْنَبِیَّةِ حَرَامٌ۔۔۔أَوْ کَانَتْ عَجُوْزَةً شَوْهَاءَأَوْ بِحَائِلٍ (الدر المختار: ۹/۵۲۹) اوراشباہ میں ہے کہ اجنبیہ عورت کے ساتھ خلوت حرام ہے، یا تو وہ بوڑھی ہو یا پردہ وغیرہ حائل ہو۔

لہذا امرد استاذ کا لڑکیوں کو بلا حجاب یا بلا حائل پڑھانا کسی بھی حال میں درست نہیں ہے، یہ اسلامی تعلیمات اور شریعت اسلامیہ کے سراسر خلاف ہے۔

اور اگر پردے کے اہتمام کے ساتھ پڑھایا جائے تو یہ اگر چہ درست ہے، لیکن بہتر شکل یہ ہے کہ اولا معلمات کا انتظام کیا جائے، اور اس کے لیے ہر ممکن کوشش کی جائے۔

عارف باللہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: تجربے سے معلوم ہوا ہے کہ پردے سے پڑھانے والے بھی عشق مجازی میں مبتلا ہو گئے، لہذا اسلامتی کی راہ صرف یہی ہے کہ خواتین سے ہر طرح کی دوری رہے۔ (رشک اولیاء، حیات اختر ۵۴۳)

شریعت اسلامیہ نے ہر اس دروازے کو بند کرنے کی کوشش کی ہے، جہاں سے فتنہ کے درآنے کا ذرا سا بھی اندیشہ ہو؛ لہذا مدارس البنات میں پڑھانے والی صرف خواتین ہوں، جو خود بھی صالح، پاکباز، نیک سیرت، باصلاحیت، باکردار اور علم وعمل سے متصف ہوں؛ تا کہ ان کی دینی تعلیم وتربیت کا رنگ طالبات میں ظاہر ہو۔

(۳) منتظم صرف خواتین ہوں:

کسی بھی کام کو آگے بڑھانے اور اس کو مضبوط و مستحکم اور پائیدار رکھنے کے لیے منتظمین کی ضرورت ہوتی ہے، منتظمین کے بغیر کوئی بھی کام اپنے مقصد کو نہیں پہنچ پاتا ہے، نیز کسی بھی نظام کو چلانا ایک اہم ذمہ داری ہوتی ہے، انتظامیہ جتنی خوبیوں کی مالک اور مطلوبہ کام سے ہم آہنگ ہوگی وہ کام اتنا ہی نظم وضبط کے ساتھ چلے گا اور مقصد کے حصول کا ذریعہ بنے گا۔ مدرسۃ البنات کا داخلی نظام چلانے والی صرف خواتین ہوں، مردوں کے منتظم بننے میں بہت ساری خرابیوں کا اندیشہ ہے؛ ذمہ داران اگر مرد ہیں تو وہ اپنی محارمہ عورتوں کے ذریعہ نظام چلائیں، اس میں بہت سارے فوائد بھی مضمر ہیں۔ لہٰذا اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ مدرسہ کا سارا داخلی نظام ایسی خواتین کے ہاتھ میں ہو، جو خود بھی نیک، صالح، امانت دار اورحسنِ سیرت وکردار کی مالک ہوں۔ خارجی نظام مردوں کے ہاتھ میں ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

(۴) نصاب تعلیم معیاری ہو:

کسی بھی تعلیمی ادارے کے لیے نصاب تعلیم بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے، نصاب تعلیم ہی پوری تعلیم کی جان ہوتی ہے اور اسی سے علمی وفکری جہتیں متعین ہوتی ہیں۔ مدرسۃ البنات کا نصاب تعلیم معیاری ہونا چاہیے، جو زمانہ اور وقت کے تقاضوں کے اعتبار سے علاقے اور معاشرے کے ماحول کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے یہاں کے معتبر علمائے کرام اور ماہرین تعلیم کے ذریعہ تجویز کرایا جائے، ایسا نہ ہو کہ جو دل میں آیا کتابیں متعین کرلیں اور تعلیم شروع کردی، ایسا کرنے سے تعلیم کے نام پر جہالت اور بے دینی بھی پنپ سکتی ہے۔

(۵) نظام تعلیم مضبوط ہو:

نصاب تعلیم کے ساتھ نظام تعلیم پر بھی خصوصی توجہ دی جائے، نظام تعلیم جتنا مضبوط و مستحکم اور مرتب ہوگا، تعلیمی معیار اتنا ہی بلند ہوگا؛ جو باکردار، باصلاحیت، سلیم الطبع اور ذہین وفطین عالمات وفاضلات کی پیداوار کا ضامن ہوگا۔ ایک لڑکی کے کاندھوں پر بہت ساری ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں، اس لیے کچھ ایسا نظام بنایا جائے، جو صرف چند سالوں پر محیط ہو؛ لڑکیوں کو جتنی کم عمر میں جتنی زیادہ تعلیم دے دی جائے اتنا ہی زیادہ بہتر ہے۔ نیز پورے نظام تعلیم میں کوئی بھی خلاف شرع کام نہ ہو۔

(٦) تربیت اور امور خانہ داری کی مشق:

تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت اور امور خانہ داری کی مشق پر بھی خوب توجہ دی جائے، مدارس اسلامیہ کا مقصد جہاں دینی تعلیم ہے، وہیں تربیت بھی ہے؛ تعلیم وتربیت دونوں لازم وملزوم ہیں، اگر صرف تعلیم ہے اور تربیت نہیں ہے تو ایسی تعلیم جہالت کے سوا کچھ نہیں ہے، اور اگر صرف تربیت ہے تعلیم نہیں ہے، تو یہ بھی کوئی فائدہ مند چیز نہیں ہے؛ اس لیے جہاں تعلیم ناگزیر ہے، وہیں تربیت بھی بہت ضروری ہے۔ لہٰذا مدرسہ کی منتظمات ومعلمات تعلیم کے ساتھ ساتھ طالبات کی تربیت پر خصوصی توجہ دیں۔ ایک خاتون کی زیادہ تر زندگی امور خانہ داری سے متعلق رہتی ہے، لہٰذا امور خانہ داری کی مشق پر بھی بھرپور توجہ دی جائے، یہ یقینا صالح معاشرے کی تشکیل کا ضامن ہوگا۔

(۷) بقدر استطاعت تعلیم:

ہر لڑکی کو عالمہ فاضلہ بنانے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ ہر لڑکی کو اس کی حیثیت اور

استطاعت کے مطابق تعلیم دی جائے۔ضروری دینی معلومات،قرآن کی تعلیم، دین کی بنیادی باتوں کا علم،حلال وحرام اور روزمرہ کے مسائل کا علم تو سب کو سکھایا جائے؛ باقی جو لڑکیاں ذہین وفطین، باکردار، باصلاحیت اور سلیم الطبع ہوں، اعلی تعلیم صرف انہی کو دی جائے؛ یعنی لڑکیوں کی تعلیم میں ان کی حیثیت واستطاعت کو ملحوظ رکھا جائے۔

(۸) دارالاقامہ کی نگرانی:

اگر کہیں اقامتی مدرسہ یا جامعہ ہو، جہاں طالبات کا مستقل قیام رہتا ہو، تو ان کی سخت نگرانی کی جائے؛ کیوں کہ لڑکیوں کا ایک جگہ ''دارالاقامہ'' میں اکھٹا ہو کر رہنا فتنوں اور بہت سی پریشانیوں کا باعث بھی ہوسکتا ہے۔بہتر تو یہ ہے کہ دارالاقامہ کا نظم نہ ہو، طالبات کو تعلیمی اوقات کے علاوہ روزانہ گھر بھیجنے کا انتظام ہو؛ لیکن اگر کہیں درجۂ مجبوری میں دار الاقامہ کی ضرورت پیش آجائے تو شریعت میں اس کی بھی گنجائش موجود ہے، البتہ اس کی صورت حال کو اپنے یہاں کے علمائے کرام اور مفتیان عظام سے معلوم کرلیا جائے؛ تاہم ان کی نگرانی کے لیے خواتین کو متعین کیا جائے، کسی بھی مرد کو مقرر کرنا درست نہیں ہے۔

(۹) خلاف شرع امور سے اجتناب:

تعلیم سے لے کر نظامِ تعلیم تک ہر کام میں شریعت کو پیش نظر رکھا جائے، کسی بھی معاملے میں کوئی بھی خلاف شرع کام نہ ہونے پائے؛ ایسا ادارہ جہاں خلاف شرع امور ہوں، یا کسی بھی معاملے میں شریعت کی خلاف ورزی ہوتی ہو، وہاں لڑکیوں کو تعلیم کے لیے ہرگز نہ بھیجا جائے؛ ایسے مدارس دین وشریعت کے لیے مفید ہونے کے بجائے مضر اور فتنوں کا باعث ہیں۔

(۱۰) عقائد کی درستگی:

مدرسہ کے ذمہ داران، منتظمات اور معلمات وغیرہ کے عقائد اہل سنت والجماعت کے عقائد کے موافق ہوں؛ تاکہ اس مدرسے میں تعلیم حاصل کرنے سے عقیدے خراب نہ ہوں۔

مدارس البنات کا نصاب تعلیم

کسی بھی تعلیم گاہ، دانش گاہ اور علمی آماجگاہ کے لیے نصاب تعلیم کی بڑی اہمیت ہے، نصاب تعلیم ہی سے علمی وفکری جہتیں متعین ہوتی ہیں؛ ہر مدرسہ، جامعہ اور یونیورسٹی کے لیے نصاب تعلیم بنیادی حیثیت رکھتا ہے؛ گویا نصاب تعلیم تعلیمی اداروں کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ مدارس البنات کا نصاب تعلیم کیا ہو؟ اور کیسا ہو؟ یہ ایک اہم پہلو ہے۔ ہمارے یہاں لڑکیوں کے مدارس میں جو نصاب تعلیم رائج ہے، وہ عموماً افراط وتفریط کا شکار ہے؛ بعض جگہ بس کچھ دینیات اور اردو وغیرہ کی کتابیں پڑھا کر فاضلہ بنادیا جاتا ہے، اور بعض جگہ درس نظامی کی اہم اور مشکل کتابیں چند سالوں میں پڑھادی جاتی ہیں، جب کہ ان کتابوں تک رسائی کے لیے خود کئی کتابوں کی ضرورت ہوتی ہے، نتیجہ یہ ہے کہ چند سالوں میں چند مشکل کتابیں پڑھا کر فاضلہ کا لقب دے دیا جاتا ہے، اور ادھر کتابوں کے فن سے بھی مناسبت نہیں ہو پاتی۔ مدارس البنات کا نصاب تعلیم ایسا ہونا چاہیے کہ جس سے کامیاب اور باصلاحیت عالمات، داعیات، مبلغات اور اسلام کی ترجمانی کرنے والی خواتین پیدا ہوسکیں۔

آج کل مدارس البنات میں جو عربی نصاب تعلیم رائج ہے، جو تقریباً پانچ سال کو محیط ہے، وہ درس نظامی سے ماخوذ ہے۔ درس نظامی میں دو طرح کے علوم شامل ہیں: (۱) علوم

عالیہ۔(۲)علوم آلیہ۔یعنی ایک وہ علوم جوضروری اور مقصود ہیں، جو کہ چھ علوم اوران کے متعلقات ہیں: قرآن، حدیث، فقہ، اصول تفسیر، اصول حدیث، اصول فقہ؛ باقی جو علوم پڑھائے جاتے ہیں وہ علوم آلیہ ہیں، جوان مذکورہ چھ علوم کے لیے ذرائع ہیں۔ مدارس البنات کا نصاب تعلیم چندسالوں پر ہی محیط ہونا چاہیے،اوراس میں صرف علوم عالیہ کوترجیح دی جائے،علوم آلیہ صرف بقدرضرورت پڑھائے جائیں، ہرفن کی اہم اورآسان کتاب پڑھانے کی کوشش کی جائے۔ ہرلڑکی کو عالمہ فاضلہ بنانے کی ضرورت نہیں ہے، دین کی بنیادی تعلیم تو ہرایک کودی جائے، باقی جولڑکیاں ذہین وفطین، باکرداراورسلیم الطبع ہوں عربی نصاب صرف ان ہی کو پڑھایا جائے؛مندرجہ ذیل نصاب بھی مفید ثابت ہوسکتا ہے۔

(۱) صحیح ناظرہ کے ساتھ قرآن کریم مکمل حفظ یا بعض سورتیں حفظ۔

(۲)عقائدکی ضروری باتیں،شروع میں مختصراً پھرتفصیل کے ساتھ۔

(۳) عبادات یعنی نماز، روزہ، حج ،زکات اور طہارت وغیرہ کے احکام ومسائل سکھائے جائیں۔

(۴) معاملات، معاشرت، حلال وحرام کا امتیاز اوراخلاقیات کے بنیادی مسائل سکھائے جائیں۔

(۵) حفظانِ صحت اورکھانے پینے کی اشیاء میں حلال وحرام کی تمیز کے اصول اور مسائل بتائے جائیں۔

(٦) خانگی امور میں ضروری ہنراورسلیقہ مندی سکھائی جائے۔

(۷) آداب معاشرت کے مضامین پڑھائے جائیں، امور خانہ داری کی مشق کرائی جائے،اورتربیت دی جائے کہ گھر کا نظام کس طرح سنبھالنا اوردینی بنانا ہے۔

(۸)ضرورت کے بقدرحساب وکتاب اورضروری عصری تعلیم بھی دی جائے۔کوئی زبان بھی سکھائی جائےتو زیادہ بہتر ہے،جس میں عربی اوراردوقابل ترجیح ہے۔

اتنی تعلیم تو ہر ایک کو دی جائے، کیوں کہ یہ بنیادی تعلیم ہے۔ بقیہ عربی نصاب کے لیے مخصوص وممتاز طالبات کا انتخاب کیا جائے، نیز عربی نصاب تعلیم علماء کے مشورے سے متعین کیا جائے، صرف آسان اور مفید کتابیں پڑھائی جائیں۔ مندرجہ ذیل نصاب مفید ثابت ہوسکتا ہے۔

(۱) شروع کے سالوں میں قرآن وحدیث کو سمجھنے کے لیے مبادیات کی کتابیں اسی طرح فقہ، اصول فقہ، اصول تفسیر، اصول حدیث کی مبادیات کی کتابیں پڑھائی جائیں؛ مبادیات کی کتابیں اردو زبان میں پڑھانا زیادہ بہتر ہے۔ اس کے بعد کے سالوں میں تفسیر، اصول تفسیر، فقہ، اصول فقہ اور اصول حدیث کی بڑی کتابوں میں سے صرف ایک ایک کتاب پڑھائی جائے؛ جو آسان، جامع اور مانع ہونے کے ساتھ فن کا احاطہ کیے ہوئے ہوں۔ آج کل ان موضوعات پر بہت سی نئی شاندار کتابیں منظر عام پر آگئی ہیں۔ علمائے کرام کے مشورے سے ان کا انتخاب کرلیا جائے۔

(۲) طالبات کو جدید دینی وفکری مسائل اور مضامین سے ہم آہنگ کرنے کے لیے نصاب کے اندر یا غیر نصابی مواد متعارف کرایا جائے، تاکہ ان کی شخصیت میں جدت واختراع کا عنصر پایا جاسکے؛ بدعات اور رسوم ورواج سے اجتناب کے مضامین بھی خصوصیت سے شامل کیے جائیں۔

(۳) عقائد واخلاق اہم موضوع ہیں، لہٰذا عقائد واخلاق کی کتابوں کو خاص طور سے نصاب کا حصہ بنایا جائے۔

(۴) دورۂ حدیث میں پہنچنے کے بعد صحاح ستہ کو از اول تا آخر پڑھانے کی ضرورت نہیں ہے، اور یہ ایک مشکل کام بھی ہے؛ لہٰذا چند اہم منتخب ابواب پر ہی اکتفا کیا جائے۔

دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد حسب موقع ممتاز طالبات کو تخصص کی تعلیم دی جاسکتی ہے، تاکہ علوم میں پختگی اور گیرائی پیدا ہو۔ اس سلسلے میں شعبہ جات قائم کرنے کی

ضرورت ہے۔ چند ضروری اور اہم شعبوں کا تذکرہ مندرجہ ذیل ہے۔

تخصص فی التفسیر:

قرآن کریم کی تفسیر ایک اہم بنیادی علم ہے۔ قرآن کریم کے معانی ومفاہیم کو سمجھنا اور سمجھانا تفسیر کہلاتا ہے۔ مدارس البنات میں تفسیر قرآن کا باضابطہ شعبہ ہونا چاہیے، اس کا قیام وقت کی ضرورت بھی ہے؛ اس شعبے میں چند مخصوص وممتاز طالبات کو رکھا جائے، اور تفسیر قرآن پر ان کو خوب محنت کرائی جائے۔ شروع میں فن تفسیر کا تعارف، تفسیر کے اصول وضوابط وشرائط اور تفسیر کی عربی اور اردو کتابوں کا تعارف کرایا جائے؛ ان کتابوں تک رسائی اور ان سے استفادے کے طریقے بتائیں جائیں۔ عربی تفاسیر سے استفادہ تھوڑا مشکل رہے گا، اس لیے اردو تفاسیر پر زیادہ توجہ دی جائے؛ اردو تفسیروں کو سامنے رکھ افہام وتفہیم کا سلیقہ اور اس طرح مشق کرائی جائے کہ معانی اور مطالب قرآن کو سمجھنا آسان ہوجائے۔ اتنا کرلینے سے تفسیر قرآن سے بہت حد تک مناسبت، شعور اور استعداد پیدا ہوجائے گی۔

تخصص فی الحدیث:

شعبۂ حدیث کا مستقل قیام بھی اہمیت کا حامل ہے۔ اس میں چند ممتاز طالبات کو رکھا جائے، اور صرف اتنا کیا جائے کہ شروع میں کتب احادیث کا تعارف اور ائمہ حدیث کے حالات پر روشنی ڈالی جائے؛ فن حدیث کی اصطلاحات، اقسام اور فن اسماء الرجال کو بھی خوب سمجھا دیا جائے۔ اس کے بعد سب سے اہم کام احادیث کی تشریح وتفہیم ہے، شروحاتِ حدیث کی کتابیں زیر نصاب رکھی جائے، اردو کتابیں زیادہ فائدہ مند ثابت ہوں گی؛ لہٰذا معتبر علمائے کرام کی لکھی ہوئی شروحاتِ حدیث پڑھائی جائیں،

ان سے استفادے کے طریقے بتائے جائیں؛ اس طرح کرنے سے بہت ساری احادیث اوران کی تشریح وتوضیح ذہن نشیں ہوجائے گی، اوراس طرح فن حدیث سے کافی حدتک مناسبت پیدا ہوجائے گی۔

تخصص فی الفقہ :

شریعت اسلامیہ کا ایک بڑا ذخیرہ مسائل پر مشتمل ہے، خواہ وہ عقائد اور عبادات کے قبیل سے ہوں یا معاملات، معاشرت اور اخلاق سے متعلق؛ مسائل شرعیہ کو سیکھنا اور سمجھنا ایک کامیاب زندگی گذارنے کے لیے بہت ضروری ہے، شرعی مسائل کو سمجھے بغیر احکام شرعیہ کی بجا آوری بڑی مشکل ہے۔ مدارس البنات میں باضابطہ ''فقہ'' کا شعبہ ہو۔ جہاں عقائد، عبادات، نماز، روزہ ، حج، زکوۃ، معاملات، خرید وفروخت ، نکاح، طلاق، عدت، رضاعت، اخلاق، معاشرت، رہن سہن اور حلال وحرام وغیرہ کے ضروری مسائل سکھائے جائیں؛ اوران پر خصوصی محنت کرائی جائے۔ اس سلسلے میں فقہ، اصول فقہ، قواعد فقہ اور فتاوی کی کتابیں پڑھائی جائیں؛ اردو فتاوی کو زیر نصاب رکھا جائے تو زیادہ بہتر ہے، بہت سارے مسائل مفتی بہ اقوال کی شکل میں ذہن نشیں ہوجائیں گے اور مختلف فیہ مسائل میں ذہن الجھنے سے بھی بچ جائے گا۔ فتاوی کی کتابوں سے استفادے کے طریقے بھی بتائے جائیں، تاکہ ضرورت پڑنے پر بروقت ان سے استفادہ دشوار نہ ہو۔ نئے مسائل پر علماء کی لکھی ہوئی کتابوں اور ''فقہ اکیڈمیوں'' کے فیصلوں اور تجاویز تک بھی رسائی کرائی جائے۔

شعبۂ خطابت اور مضمون نویسی :

مسلمانوں کی زندگی کا مقصد دینی احکامات پر عمل پیرا ہونا اوران احکام کو دوسروں

تک پہنچانا ہے۔ دین اسلام کی تبلیغ کے دو اہم ذرائع ہیں، زبان اور قلم؛ بالفاظ دیگر تقریر اور تحریر۔ دونوں کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے، خطابت کے ذریعہ مردہ دلوں میں روح پھونکی جاسکتی ہے، اسی طرح شائستہ اور اصلاحی تحریریں بھی دلوں پر اثر انداز ہوتی ہیں اور اپنے نقوش چھوڑتی ہیں۔ تقریر وتحریر کے ذریعہ صالح معاشرے کی تشکیل میں ایک مؤثر کردار ادا کیا جاسکتا ہے۔ نیز آج کل خواتین کے دینی اجتماعات اور مذہبی مجلسیں بھی بکثرت منعقد ہو رہی ہیں، جو کہ آج کے دور کی ضرورت بھی بن گئی ہیں، جن کے لیے ایسی عالمات کی ضرورت ہے جو تقریر وخطابت کے فن میں مہارت رکھتی ہوں۔ اسی طرح آج کا دور تحریر کا دور بھی ہے، بے شمار رسائل ومجلّات آج کل شائع ہو رہے ہیں، اور ایک مؤثر کردار ادا کر رہے ہیں۔

لہٰذا مدارس البنات میں باضابطہ ایک شعبۂ خطابت اور مضمون نویسی ہو، جہاں طالبات کو تقریر وتحریر کی مشق کرائی جائے، اپنی بات کو دوسروں کے سامنے پیش کرنے کا سلیقہ اور مخاطب کو مطمئن کرنے کے انداز اور اصول بتائے جائیں۔ اس سلسلے میں خصوصاً دینی واصلاحی موضوعات پر محنت کرائی جائے، اور ایک اچھا خاصہ مواد ذہن نشیں کرادیا جائے۔

ایک خاتون پورے خاندان کی پرورش کا ذریعہ بنتی ہے، اگر عورت دیندار ہوتی ہے تو دین نسلوں میں سفر کرتا ہے؛ جس خاتون کو تقریر وخطابت اور مضمون نگاری کے فن میں مہارت اور امتیاز حاصل ہو جائے، تو وہ صرف خاندان ہی نہیں بلکہ پورے معاشرے کی اصلاح کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ بہت سی صحابیات اور تابعیات ایسی ہوئی ہیں، جنہیں تقریر وتحریر کے فن میں خوب مہارت اور خصوصی امتیاز حاصل تھا۔

مدارس البنات میں عصری تعلیم

تعلیم کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، دینی تعلیم اور عصری تعلیم۔ دینی تعلیم ہر فرد کے لیے لازم اور ضروری ہے۔ حدیث میں تحصیل علم کو ہر مسلمان کے لیے فرض قرار دیا گیا ہے۔ اس کی شرح کرتے ہوئے ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے لکھا ہے: **طلب العلم أي الشرعي فريضة أي مفروض فرض عين على كل مسلم أو كفاية، والتاء للمبالغة أي ومسلمة** (مرقاۃ المفاتیح: ۱/۴۷۷) علم شرعی حاصل کرنا فرض ہے، یعنی ہر مسلمان پر فرض عین ہے، یا کفایہ ہے، اور تاء مبالغے کے لیے ہے، یعنی مسلمان عورت پر بھی علم شرعی حاصل کرنا فرض ہے۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''درمختار'' میں ہے: **اعلم أنَّ تعلم العلم يكون فرض عين وهو بقدر ما يحتاج لدينه** (در مختار مع الشامی: ۱/۱۲۵) جان لو کہ اتنا علم حاصل کرنا فرض عین ہے کہ دین پر عمل کرنے کے لیے جس کی ضرورت پڑے۔ علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **من فرائض الإسلام تعلم ما يحتاج إليه العبد في أقامة دينه وإخلاص عمله لله تعالى ومعاشرة عباده، وفرض على كل مكلف ومكلفة إلخ** (رد المحتار: ۱/۱۲۵) اسلام کے فرائض میں سے ان چیزوں کی تعلیم حاصل کرنا بھی ہے جن کی بندے کو ضرورت پڑتی ہے اپنے دین کو قائم رکھنے کے لیے اور اخلاص عمل کے لیے اور معاشرت کے لیے، اور وہ فرض ہے ہر مکلف مرد اور عورت پر۔

معلوم ہوا کہ دینی تعلیم ہر مسلمان مرد و عورت کے لیے ضروری ہے۔ مدارس البنات دینی تعلیم کے لیے ہی وجود میں آئے ہیں، مدارس البنات کا مقصد دینی تعلیم و تعلم ہے۔

جہاں تک عصری علوم کی بات ہے، تو ان کا حصول بھی شرعاً مباح ہے، اور خوب

فائدہ مند بھی ہے، لیکن چوں کہ مدارس البنات کا مقصد دینی تعلیم ہے، لہٰذا عصری علوم کو مدارس کے نصاب میں بقدرِ ضرورت شامل کیا جائے۔ جو عصری علوم اس وقت ناگزیر ہیں اور ضروریاتِ زندگی میں شامل ہیں، جیسے: ہندی، انگلش، ریاضی اور خواتین کے لیے امورِ خانہ داری وغیرہ؛ صرف ان ہی کو شاملِ نصاب کیا جائے۔

مدارس البنات کا نظامِ تعلیم

نظامِ تعلیم تعلیمی اداروں کا ایک اہم حصہ ہے، جو خصوصی اہمیت کا حامل ہے، تعلیمی نظام جس قدر عمدہ اور مضبوط ہوگا، تعلیمی معیار بھی اتنا ہی بلند اور ترقی پذیر ہوگا؛ اور اگر تعلیمی نظام ہی کمزوری کا شکار ہو تو تعلیمی بلندی کی کوئی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔ مدارس البنات کا نظامِ تعلیم عمدہ سے عمدہ اور مضبوط ہونا چاہیے۔ ذمہ داران اور منتظمات باصلاحیت اور باکردار ہوں، پڑھانے والی استانیاں ومعلمات خصوصی صلاحیتوں کی مالک ہوں، جو درس وتدریس میں عصری تقاضوں کو بھی ملحوظ رکھیں، اور درس وتدریس کے ساتھ تربیت پر بھی خصوصی توجہ دیں؛ کیوں کہ مدرسہ چند کتابوں کے ترجمے اور تشریح کا نام نہیں ہے، بلکہ مدرسہ ایسے مرکز کا نام ہے جہاں سے قرآن وسنت اور اسلامی علوم وفنون کے ماہر، انسانیت کو ہدایت کا پیغام دینے والے، انسانیت کو تحفظ وبقاء کا راستہ دکھانے والے، نیک سیرت وکردار کے مالک، اسلام کو اپنے قول وفعل اور اخلاق سے دنیا کے چپہ چپہ پر پہنچانے والے افراد تیار ہوں؛ اور یہ مقصد تب ہی حاصل ہوسکتا ہے جب مدرسہ کا تعلیمی وتربیتی نظام معیاری اور مضبوطیوں کا حامل ہو، جس کے لیے بہت سی چیزوں پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ چند اہم نکات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) تعلیم کے لیے گھنٹوں کا نظام بنایا جائے، اور کچھ وقت عصری علوم کے لیے بھی

مختص کیا جائے، مثلاً مدرسہ کا دورانیہ آٹھ گھنٹے پر مشتمل ہے تو چھ گھنٹے دینی علوم کے لیے اور دو گھنٹے عصری علوم کو متعارف کرانے کے لیے مختص کیے جائیں۔

(۲) طالبات میں تحریری و تقریری مہارتیں متعارف کرائی جائیں، جس کے لیے ہفتہ وار تقریری و تحریری پروگرام منعقد کیے جائیں، اور مقالہ نویسی و مضمون نگاری کو اعلی جماعتوں کی طالبات کے لیے لازمی قرار دیا جائے، تاکہ تحقیقی ذہن بھی پیدا ہو سکے۔

(۳) طالبات اور معلمات کے درمیان تکرار اور علمی مباحثہ ہونے چاہئیں، تاکہ تخلیقی، تحقیقی اور توسیعی ذہن پیدا ہو، اور تمام قسم کے شکوک و شبہات دور ہوں۔

(۴) علمی و دینی سوالات و جوابات کے لیے علیحدہ نظام بنایا جائے۔

(۵) کسی بھی کتاب کی تکمیل پر طالبات کے درمیان مکمل کتاب کا مباحثہ اور مقابلہ کرایا جائے اور انعامات سے نوازا جائے، تاکہ ان کی حوصلہ افزائی ہو اور دینی و علمی ذوق وجذبہ پیدا ہو۔

(۶) طالبات کو پڑھاتے وقت مشکلات، ضروریات اور حسیات کو مدنظر رکھا جائے؛ سبق کو دلچسپ بنانے کے لیے مثالیں پیش کی جائیں اور علاقائی زبان میں سمجھانے کی کوشش کی جائے، تاکہ افہام و تفہیم آسان ہو۔

(۷) طالبات میں علمی ذوق وشوق اور تعلیمی و مطالعاتی جذبے کو فروغ دینے کے لیے غیر نصابی سرگرمیوں کا بھی انعقاد کیا جائے، مثلاً ہفتہ وار یا ماہانہ تحریری و تقریری مقابلے اور مسابقے منعقد کیے جائیں۔

(۸) خارجی مطالعہ کے لیے کتب خانہ یا دار المطالعہ کا ضرور نظم ہونا چاہیے۔

(۹) معلمات اور طالبات کے درمیان بے جا تکلفات نہ ہوں، ایسا نہ ہو کہ بہت زیادہ سختی اور احترام کا دامن طالبات کے سیکھنے سکھانے کی صلاحیتوں میں رکاوٹ بنے، بیشک اساتذہ کا احترام ضروری ہے، لیکن درس وتدریس تکلفات سے اوپر اٹھ کر ایک

کھلے ماحول میں ہونا چاہیے۔

(۱۰) معلمات کمزور طالبات کوزیادہ وقت دیں، ان پر خصوصی توجہ رکھیں، اور ان کے لیے علیحدہ اضافی سبق کا بھی اہتمام کریں، ان کو خوب حوصلہ اور ہمت دلائیں۔

(۱۱) درس گاہ میں حاضری کو یقینی بنانے کے لیے اقدامات ہونے چاہئیں، ضمنی امتحانات اور حاضری کو سالانہ نتیجے میں پیش نظر رکھا جائے۔

(۱۲) وقفہ وقفہ سے ہر جماعت کے امتحانات لیے جائیں اور کمی کوتاہیاں دور کرنے کی کوشش کی جائے۔

(۱۳) تعلیم کے ساتھ طالبات میں تعلق مع اللہ، اتباع سنت، سلف وخلف کا احترام، ماضی میں ہونے والی تمام دینی کوششوں کی قدر دانی، دین کو اپنی زندگیوں میں داخل کرنے کا جذبہ، معاشرہ کی اصلاح کی تڑپ، اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے سب کچھ قربان کردینے کا عزم اور ظاہر وباطن دونوں لحاظ سے صبغۃ اللہ (اللہ کے رنگ) میں رنگ جانے کا ذوق وشوق پیدا کیا جائے؛ اخلاق وکردار کی بلندی پر خصوصی توجہ دی جائے۔

(۱۴) مدرسے کے ہر شعبے کا ایک باصلاحیت خاتون کو منتظمہ بنایا جائے، اور آخر سال میں متعلقہ شعبے کی اس سے رپورٹ طلب کی جائے۔ خوبیوں پر حوصلہ افزائی اور کمی کوتاہیوں پر تنبیہ کی جائے۔

(۱۵) کوشش کی جائے کہ مدرسے میں تعطیلات کا دورانیہ کم سے کم ہو۔

(۱۶) امتحانات میں اعلی نمبرات حاصل کرنے والی طالبات کی انعامات کی شکل میں حوصلہ افزائی ضرور کی جائے، اس کے بہت فوائد ہیں۔

(۱۷) سال میں ایک دومرتبہ خواتین کا اجتماع منعقد کرانا چاہیے، جس میں طالبات اور ان کے گھر اور رشتے کی خواتین حاضر ہوں، ان کے سامنے تعلیم کے موضوع پر بیانات ہوں اور ان کی بچیوں کی کارکردگیاں پیش کی جائیں۔

چند اہم ہدایتیں برائے ذمہ داران

عارف باللہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب نور اللہ مرقدہ ''مدرسۃ البنات'' قائم کرنے کے حق میں نہیں تھے، اس لیے مدرسۃ البنات کا قیام موقوف فرمادیا، لیکن جب بہت عرصہ بعد حضرت والا کو اطلاع ملی کہ بعض حضرات کے اصرار پر مدرسہ قائم کردیا گیا ہے، تو مندرجہ ذیل ہدایات تحریر فرمائیں:

(۱) دارالاقامہ نہ قائم کیا جائے کہ احتیاط میں مشکلات کا سامنا ہوگا۔

(۲) خواتین استانیوں کو مہتمم یا اساتذہ کرام براہِ راست کوئی ہدایت نہ دیں، نہ بات چیت کریں، نہ پردے سے اور نہ فون پر؛ مہتمم کو اپنی بیوی، خالہ یا بیٹی کے ذریعہ استانیوں کو کوئی ضروری پیغام، ہدایت یا تنخواہ وغیرہ دینے کا اہتمام ضروری ہے؛ کسی بھی مرد کا استانیوں سے براہِ راست ہرگز کوئی بات چیت اور رابطہ نہ ہو، اور مہتمم اور اولادِ مہتمم اور مرد استاذ کے براہِ راست بات چیت کرنے سے مدرسۃ البنات کے بجائے فتنے میں ابتلاء کا اندیشہ ہے۔

(۳) کوشش کی جائے کہ پانچ سال سے نو سال تک کی طالبات کے لیے ناظرۂ قرآن پاک اور حفظ قرآن کریم، ''تعلیم الاسلام'' کے چار حصے اور ''بہشتی زیور'' تک تعلیم پر اکتفا کیا جائے؛ اگر عالمہ نصاب پڑھانا ہو تو عربی کے مختصر نصاب سے تکمیل کرائیں، مگر پردۂ شرعی کا سخت اہتمام ضروری ہے، ورنہ لڑکیوں کے لیے بہتر یہی ہے کہ ناظرۂ قرآن، بہشتی زیور اور حکایاتِ صحابہ وغیرہ پر اکتفاء کیا جائے، اور خواتین معلمات بھی باپردہ ہوں۔

(۴) عالمہ نصاب کی لڑکیوں کو شوہر کی خدمات اور آدابِ شوہر کا اہتمام سکھایا جائے، اور عالم شوہر کی تلاش ان کے لیے ہو، ورنہ اگر ڈاکٹر یا انجینئر یا تاجر ہو تو دیندار

ہونے کی شرط ضروری ہے۔

(۵) پورے مدرسۃ البنات میں عورتوں کا رابطہ صرف عورتوں سے رہے، مہتمم اپنی محرم یعنی بیوی یا والدہ اور بہن وغیرہ سے دریافت حالِ تعلیمی یا دریافت حالِ انتظامیہ کرے، اگر اتنی ہمت نہ ہوتو مدرسۃ البنات مت قائم کرو، اور مدرسہ بند کردو، دوسروں کے نفع کے لیے خود کو جہنم کی راہ پر مت ڈالو، مخلوق کے نفع کے لیے مردوں کا لڑکیوں کو پڑھانا یا پردے سے بھی بات چیت کرنا فتنہ سے خالی نہیں، تجربے سے معلوم ہوا کہ پردے سے گفتگو کرنے والے بھی عشق مجازی میں مبتلا ہو گئے؛ لہٰذا سلامتی کی راہ صرف یہی ہے کہ خواتین سے ہر طرح دوری رہے۔ (رشک اولیاء۔ حیات اختر: ۵۴۳)

حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے تعلیم نسواں اور مدارس البنات کے سلسلے میں جو خیالات تھے اور انہوں نے جو طریقۂ کار اپنایا، وہ مدارس نسواں کے منتظمین کے لیے مشعل راہ ہے۔ آپ نے ''تھانہ بھون'' کے مدرسۃ البنات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

میں نے بھی تھانہ بھون میں ایک لڑکیوں کا مدرسہ قائم کیا ہے، لڑکیاں معلمہ کے گھر میں جمع ہو جاتی ہیں (وہی گھر گویا لڑکیوں کا مدرسہ ہے) اور میں ان کی خدمت کر دیتا ہوں، لیکن میں نے یہاں تک احتیاط کر رکھی ہے کہ میں خود کسی لڑکی کو بھیجنے کی ترغیب نہیں دیتا، یہ انہی معلمہ سے کہہ دیا ہے کہ سب تمہارا کام ہے، تم جتنی لڑکیوں کو بلاؤ گی تنخواہ زیادہ ملے گی، اس مدرسہ میں ماہانہ امتحان بھی ہوتا ہے، سو لڑکیاں کبھی امتحان دینے کے لیے گھر پر چلی آتی ہیں اور میرے اہل خانہ یعنی بیویاں یا میرے خاندان کی کوئی بی بی ان کا امتحان لے لیتی ہے، اور کبھی لڑکیوں کو نہیں بلایا جاتا بلکہ ممتحنہ وہیں چلی جاتی ہیں اور امتحان لے لیتی ہیں، اور صرف امتحان کا نتیجہ میرے سامنے پیش ہو جاتا ہے اور باقی ان پر میرا نہ کوئی اثر اور نہ کوئی دخل؛ نمبر ممتحنہ دیتی ہیں، ان نمبروں پر انعام میں تجویز کرتا ہوں۔ الحمد للہ اس طرز پر مدرسہ برابر چلا جا رہا ہے اور ایک بات بھی کبھی خرابی کی نہیں ہوئی۔۔۔ الغرض

لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام یا تو اس طور پر ہو کہ لڑکیاں جمع نہ ہوں، اپنے اپنے گھروں یا محلہ کی بیبیوں سے تعلیم پائیں، لیکن آج کل یہ عادۃً بہت مشکل ہے، یا اگر ایک جگہ جمع ہوں تو پھر یہ انتظام ہو کہ مردان سے سابقہ نہ رکھیں اور اپنی مستورات سے نگرانی کروائیں، ان سے خود بات چیت بھی نہ کریں؛ دوسرے اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ ناظم (سکریٹری) بضرورت متقی بن جائے، چاہے وہ آزاد خیال ہو مگر اسے مولوی کی شکل بنانا چاہیے، تاکہ معلمہ (پڑھانے والیوں) پر اس کا اثر پڑے، میری دانست میں تعلیم نسواں کے یہ اصول ہیں، آگے اور لوگ اپنے تجربوں سے کام لیں، کچھ میرے خیالات کی تقلید ضروری نہیں۔ (اصلاح حقوق وفرائض: ۴۰۱-۴۰۴)

حضرت تھانویؒ کے خیالات اور طریقۂ کار دیکھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت تھانویؒ جیسے حکیم الامت، مدبر، مصلح اور اپنے وقت کے مجدد جہاں ایک طرف تعلیم نسواں کو ضروری سمجھتے تھے؛ وہیں لڑکیوں کی تعلیم کے سلسلے میں حد درجہ احتیاط سے کام لیتے تھے، کہ کوئی بھی ایسا گوشہ کمزور نہ ہو جس سے کسی فتنہ کے درآنے کا خدشہ ہو۔ آپ نے اپنے عمل سے آنے والی نسلوں کو یہ پیغام دیا ہے کہ لڑکیاں جو ہمارے معاشرے کا نصف حصہ ہیں، انہیں زیور تعلیم سے آراستہ کرنا ہے، لیکن اس قدر احتیاط بھی برتنی ہے کہ یہ تعلیم ان کے لیے ہر اعتبار سے مفید ہو مضر نہ ہو، اور وہ علم دین حاصل کرنے کے بعد ایسی عالمات وداعیات اور مبلغات بنیں جو پورے معاشرے کی اصلاح کا ذریعہ ہوں۔ آپ کا یہ مشورہ اور ہدایت بڑی قیمتی ہے کہ آپ جتنے بھی آزاد خیال ہوں، لیکن معلمات اور طالبات پر اچھا اثر ڈالنے کے لیے تقوی اختیار کریں، اور پوری امانت ودیانت داری کے ساتھ نظام چلائیں۔

چند اہم ہدایتیں، نصیحتیں اور مشورے برائے طالبات

(۱) طالبات کے لیے سب سے اہم چیز اپنی نیت کو درست کرنا ہے، تعلیم حاصل کرنے کا مقصد رضائے الٰہی، عمل صالح، ایک کامیاب زندگی کا حصول اور دعوت و تبلیغ ہو؛ سند اور ڈگری حاصل کرنا مقصد نہ ہو۔

(۲) مقصود بالذات عمل کو سمجھیں، نہ کہ علم کو؛ کیوں کہ اعمال میں ہی دنیا و آخرت کی کامیابیوں کا راز پوشیدہ ہے۔

(۳) گناہوں سے بچنے کا خاص اہتمام کریں، کیوں کہ علم ایک نور ہے، جس کا نزول صرف پاکیزہ نفوس پر ہی ہوتا ہے، علم اور نفس کی پاکیزگی لازم وملزوم ہیں، علم اور گناہ ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے؛ یہی وجہ ہے کہ اگر دل کا میلان گناہوں کی طرف ہوگا تو علم بجائے حصول کے خود بخود رخصت ہونا شروع ہو جائے گا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

شكوت الى وكيع سوء حفظي　　فاوصاني الى ترك المعاصي

فان العلم نور من الهي　　ونور الله لا يعطي لعاصي

ترجمہ: میں نے اپنے استاذ حضرت وکیع سے کند ذہنی کی شکایت کی، تو انہوں نے مجھے گناہوں کے چھوڑنے کی وصیت کی، کیوں کہ علم اللہ کے انوار میں سے ایک نور ہے، اور اللہ کا نور گناہ گاروں کو نہیں دیا جاتا۔

(۴) اپنے نفس کو بری عادتوں اور گندی خصلتوں سے پاک وصاف رکھیں۔

(۵) غلط ماحول اور خراب صحبت سے حتی الامکان اپنے آپ کو دور رکھیں۔

(۶) فلم بینی، گانا باجا، موبائل اور ٹی وی وغیرہ سے اجتناب کریں؛ ان چیزوں کے

نقصانات بہت ہیں۔ بقدرِضرورت موبائل استعمال کر سکتے ہیں۔

(۷) اپنے بہن بھائیوں، ساتھیوں، رشتہ داروں اور پڑوسیوں سے کبھی لڑائی جھگڑا نہ کریں؛ اور کبھی کوئی ایسی بات نہ کریں جس سے دوسروں کو تکلیف پہنچے اور اختلافات پیدا ہوں۔

(۸) کسی سے بھی کبھی بھی حسد، کینہ اور بغض کبھی نہ رکھیں؛ یہ چیزیں انسان کے لیے سخت مہلک ہیں۔

(۹) شرعی لباس کی پابندی کریں، پردے کا مکمل خیال رکھیں، بے پردہ ہرگز باہر نہ نکلیں، ہر وقت دوپٹہ یا اسکارف کے ساتھ رہیں، غیر شرعی بال ہرگز نہ رکھیں۔

(۱۰) ہمیشہ پاک وصاف رہیں اور باوضو رہنے کا اہتمام کریں، اس کے بہت فوائد نظر آئیں گے۔

(۱۱) اپنے سارے کام حتی الامکان خود کریں، دوسروں سے کروانے کی عادت ہرگز نہ ڈالیں۔

(۱۲) اپنی صحت وقوت کا خاص خیال رکھیں۔ مقوی غذا واشیاء اور صاف ستھرے کھانے استعمال کریں۔

(۱۳) اپنی آنکھوں کو بدنگاہی اور دل کو برے خیالات سے پاک وصاف رکھیں۔ یاد رکھیں! بدنگاہی اور دل کا بری باتوں کی طرف میلان حصول علم میں مانع ہے۔

(۱۴) جھوٹ اور گالی گلوچ سے بالکلیہ اجتناب کریں؛ ہمیشہ مہذب زبان استعمال کریں، بول چال میں تہذیب اور شائستگی ملحوظ رکھیں۔

(۱۵) اپنی تمام دینی ودنیاوی ضرورتوں میں اللہ کو کارساز سمجھیں اور ہر معاملے میں اسی سے مدد طلب کریں۔

(۱۶) اپنے والدین کا ادب، ان کی اطاعت اور خدمت کو سب سے مقدم رکھیں؛

والدین کی روک ٹوک اوران کی ڈانٹ ڈپٹ کوخوش دلی سے برداشت کریں۔

(۱۷) پنج وقتہ نمازوں کوتمام سنن ونوافل کے ساتھ پڑھنے کااہتمام کریں۔

(۱۸) تہجد کی نماز پڑھنے کی عادت ڈالیں، یہ اللہ تعالی سے خصوصی قرب کا وقت ہوتا ہے،جس کے فوائد وثمرات آنکھوں سے دیکھنے کوملیں گے؛ اورکم ازکم ہفتہ میں ایک مرتبہ ''صلاۃ التسبیح'' ضرور پڑھیں،جس کے لیے جمعہ کادن زیادہ بہتر ہے۔

(۱۹) تمام سنتوں پرعمل کریں،مسواک کاخصوصی اہتمام کریں؛جس طرح مردوں کے لیےمسواک سنت ہے،اسی طرح عورتوں کے لیےبھی سنت ہے۔

(۲۰) اساتذہ اور بڑوں کے سامنےتواضع، عاجزی، ادب اوراطاعت کو ہروقت ملحوظ رکھیں۔

(۲۱) مدرسہ کی معلمات اورذمہ داران کوکبھی بھی شکایت کاموقع نہ دیں۔

(۲۲) مدرسہ کےاوقات،قوانین اوراصول وضوابط کی مکمل پابندی کریں۔

(۲۳) اگرکبھی کوئی عذرہے،توتحریری یازبانی رخصت لےکرجائیں۔

(۲۴) اگرکبھی کوئی غلطی ہوجائےتواپنی غلطی تسلیم کرکے معافی مانگ لیں، ہٹ دھرمی اوربڑاپن ہرگز نہ دکھائیں۔

(۲۵) اپنی معلمات کی نصیحتوں کو ذہن میں رکھ کرعمل کریں، اگرممکن ہوتو ان نصیحتوں کوکاپی میں لکھ کرمحفوظ کرلیا کریں۔

(۲۶) دوران سبق ادھرادھرتوجہ نہ کریں اور بےموقع نہ مسکرائیں، کیوں کہ یہ بے ادبی کاحصہ ہے؛ ہرسبق کو پوری توجہ اوریکسوئی کےساتھ سنیں۔

(۲۷) تحصیل علم میں سوالات کرنے میں بالکل شرم نہ کریں، جو بات سمجھ میں نہ آئے،استاد سےضرورمعلوم کرلیں۔

(۲۸) نیک خواتین کی صحبت کواپناخصوصی شعار بنائیں اوران سےخوب استفادہ

کریں۔

(۲۹) ہر چھوٹی طالبہ بڑی طالبہ سے ادب واحترام سے گفتگو کرے۔

(۳۰) کسی بھی دوسری طالبہ کا سامان، کتاب، قلم، کاپی اور بیگ وغیرہ اس کی اجازت کے بغیر نہ لیں۔

(۳۱) ایسی مذاق ہرگز نہ کریں، جس سے کسی کی توہین یا بے عزتی ہوتی ہو۔

(۳۲) آلات علم، کتاب، کاغذ، قلم، کاپی اور تپائی وغیرہ کا احترام کریں؛ اس سے علم میں برکت پیدا ہوتی ہے۔

(۳۳) اپنے وقت کو کبھی ضائع نہ ہونے دیں، خالی وقت میں دینی اور مفید کتابوں کے مطالعے کی عادت بنائیں۔

(۳۴) اوراد و وظائف کا معمول بنائیں، نیز احادیث میں منقول صبح وشام کی دعائیں پڑھنے کا خاص اہتمام کریں۔

(۳۵) تلاوت قرآن کا معمول بنائیں، خصوصا فجر کے بعد ''سورہ یس''، مغرب کے بعد ''سورہ واقعہ'' اور عشاء کے بعد ''سورہ ملک'' پڑھا کریں؛ ان شاء اللہ اس کے بہت فوائد وثمرات مرتب ہوں گے۔

(۳۶) جمعہ کے دن ''سورہ کہف'' ضرور پڑھا کریں، احادیث میں اس کے بڑے فضائل وارد ہوئے ہیں۔ اسی طرح جمعہ کے دن بکثرت درود شریف پڑھنے کا اہتمام کریں۔ عصر کی نماز کے بعد ۸۰ مرتبہ یہ درود پڑھا کریں: **اللهم صل على محمد النبي الامي وعلى آله وسلم تسليما**۔ اس سے گناہ معاف ہوتے ہیں، عبادت کا ثواب ملتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خصوصی قرب نصیب ہوتا ہے۔

(۳۷) روزانہ ایک مرتبہ منزل پڑھ کر پانی پر دم کرکے پیا کریں، اس سے مصائب ومشکلات، آفات، شیاطین، سرکش جنات، جادو، سحر اور نظر بد وغیرہ سے حفاظت

رہتی ہے۔

(۳۸) اپنے گھر یا محلے میں روزانہ یا ہفتہ وار دینی تعلیم کا نظم بنائیں۔اس کے لیے ''بہشتی زیور'' یا ''فضائل اعمال'' کی تعلیم زیادہ بہتر ہے۔

(۳۹) فارغ وقت میں اپنی زبان کو استغفار اور درود شریف پڑھنے میں مشغول رکھیں،اس کے بہت فوائد وثمرات دیکھنے کو ملیں گے۔

(۴۰) قرآن وحدیث پڑھنے پڑھانے والے دنیا کے سب سے افضل لوگ ہیں۔ (صحیح بخاری،سنن ابوداؤد) اسی طرح طالبان علوم نبوت کے لیے فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں۔(العرف الشذی ۲/۵۰۵) اور ان کے لیے پرندے، درندے، دریا کی مچھلیاں اور چیونٹیاں اپنے بلوں میں استغفار کرتی ہیں۔(العرف الشذی ۲/۲۶۴)لہذا اپنے مقام ومرتبے کو پہچانیں،کبھی مایوسی اور احساس کمتری کا شکار نہ ہوں،اپنے کو افضل مخلوق سمجھیں اور اس پر اللہ کا شکر ادا کریں۔

(۴۱) تعلیم سے فراغت کے بعد یہ نہ سمجھیں کہ بس مقصد حاصل ہوگیا، بلکہ یہ سمجھیں کہ اب اصل زندگی کا سفر شروع ہوا ہے،ہمیشہ صبر اور ہمت سے کام لیں،تاحیات کبھی بھی زندگی کے نشیب وفراز سے متأثر نہ ہوں۔

(۴۲) دین اپنی زندگیوں میں داخل کریں،اپنے گھر اور خاندان کا ماحول دینی بنائیں، ہر معاملے میں شریعت کو پیش نظر رکھیں، خلاف شریعت کوئی بھی بات کبھی بھی برداشت نہ کریں۔

(۴۳) مدرسہ میں رہ کر جو قرآن وحدیث کا علم حاصل کیا ہے،اسے دوسروں تک پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کریں۔ ہمیشہ اپنی ذات اور صلاحیتوں سے دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کریں۔خدمت خلق کے دنیوی واخروی بڑے فوائد ہیں۔

(۴۴) اپنے شوہر، اولاد اور رشتہ داروں کے حقوق ادا کریں۔ اولاد کی تعلیم

وتربیت پر خصوصی توجہ دیں۔

(۴۵) ہمیشہ اللہ تعالی سے دارین کی عافیت اور کامیابی طلب کریں۔

یہ چند ہدایتیں، نصیحتیں اور مشورے بڑے احساس کے ساتھ لکھے گئے ہیں؛ خدا تعالی مجھے بھی اور آپ کو بھی عمل کی توفیق دے۔

وماتوفيقي الا بالله، واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على رسوله الكريم وعلى آله واصحابه اجمعين۔